حجاز کے فرنگی سیاح

(از جناب مولوی سید علی شبیر صاحب شبیر مترجم حیدرآباد ہائیکورٹ)

ابتدا سے، ہر مذہب کا ایک مرکز نظر آتا ہے، اور اس کی عظمت کے قائم رکھنے میں، اس مذہب کے پیرو کمال سرگرمی دکھاتے رہے ہیں، مگر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ فرزندان اسلام نے، اپنے مذہبی مرکز کی عظمت و جلال کے قائم کرنے اور رکھنے میں، جو سرفروشی اور سرگرمی دکھائی ہے، اس کی نظیر نہ اگلی قوموں کی تاریخ پیش کر سکتی ہے اور نہ بعد کی۔

مقامات مقدسہ کی تقدیس و تحریم کے وہ انتہائی مراتب جو، بہ تعمیل فرمان خداوند عزوجل، مسلمانوں کے مدنظر رہے ہیں، ان کا اندازہ کسی قدر ذیل کے مضمون سے بھی ہو سکتا ہے۔

ایک وہ تھے، جنھوں نے کاٹے کوہ   ایک ہم ہیں، نہ کاہ بھی کاٹی

وہ مسلمان شاید مسلمان تھے، جن کو ہم اپنے اسلاف کہتے ہیں، جن کے اور کارناموں سے قطع نظر، صرف بیت اللہ و بیت الرسول کے احترام و عظمت کے لئے انھوں نے کیسی محیر العقل ثابت قدمی دکھلائی تھی، اور وہی ہم ہیں کہ آج انہی مقامات کو اغیار کا مسکن ٹھنڈے دل سے دیکھ رہے ہیں:۔

نہ داغ تازہ می کارد، نہ زخم کہنہ می خارد   بدہ یارب دلے کیں صورت بیجاں نمی خواہم

بہر حال ہم اپنے دوست مولوی سید علی شبیر صاحب کے بے حد ممنون ہیں کہ انھوں نے خبر انیئے کے ایک خاص حصہ کی جانب توجہ کی، جو فی زماننا مسلمانوں کے لئے نہایت مفید و محرک ہے۔

فاضل مضمون نگار کا اب سے کوئی تیئیس برس پہلے اسی موضوع پر ایک مختصر مضمون "فرنگی حجاج" کے عنوان سے رسالہ "افسر" حیدرآباد دکن میں طبع ہوا تھا، جس میں انھوں نے ان یوروپین

سیاحوں کے حالات اور سفرناموں پر بہت اجمالی نظر ڈالی تھی، جنہوں نے مسلمانوں کا بھیس بنا کر حجاز کا سفر کیا ہے اور مکہ معظمہ و مدینہ منورہ زاد اللہ شرفاً و تعظیماً کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

چونکہ اس مضمون میں ایجاز و اختصار سے کام لیا گیا تھا، اور ضرورت تھی کہ اس بارہ تفصیلی حالات مع دیگر سیاحوں کے قلمبند کئے جائیں، لہٰذا ہماری تحریک پر فاضل ممدوح نے اس مضمون کو زیادہ مفصل و مکمل کر دیا ہے، جیسا کہ آئندہ پرچوں میں ناظرین ترقی دیکھیں گے۔

مدیر

تمہید

بہ لبیک حجاج بیت الحرام ۔ بہ مدفون یثرب علیہ السلام
کہ چشم زراہ سعادت ببند ۔ زبانم بہ وقتِ شہادت ببند

اکثر ہمارے اہلِ وطن اس بات سے واقف ہوں گے، کہ اہل یورپ کسی جدید بات کے دریافت کرنے میں کیسے بے خوف ہوتے ہیں۔ کوئی دریا، پہاڑ، جنگل، ریگستان ان کا سدِ راہ نہیں ہو سکتا: ناظرین کو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ خانۂ کعبہ میں بھی جہاں غیر مذہب والوں کے لئے قدم قدم پر موت کھڑی ہے، یہ بے باک جان پر کھیل کر پہنچتے ہیں۔

۸ھ تک مسلمان خانۂ کعبہ میں مشرکین کے ساتھ ملے جلے حج کیا کرتے تھے[1]۔ لیکن ۸ھ میں بعد فتح مکہ، جب کعبہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، اور وہ بت، جن کی پرستش سینکڑوں برس سے ہو رہی تھی، توڑ ڈالے گئے، اس مقدس گھر میں بجائے شرک کے توحید قائم ہو گئی اور پھر ۹ھ میں حسب ارشادِ خداوندی مشرکین کو حرم کعبہ میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ ۔ مشرک اس قابل نہیں کہ خدا کی مسجدوں میں آئیں
شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (سورۂ توبہ) ۔ ان کی روحیں کفر پر گواہی دیتی ہیں۔

---

[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقرر کردہ مناسک حج جو خالص توحید پر مبنی تھے بسبب امتدادِ زمانہ ان میں شرک کی رسوم بھی داخل ہو گئی تھیں۔ بیت اللہ ایک زبردست بت خانہ بن گیا تھا۔ مگر ابتدا میں چونکہ اسلام بہت ضعیف تھا اور مسلمان بیت اللہ سے کفار کو خارج نہیں کر سکتے تھے، اس لئے مسلمان و کفار ملے جلے اپنے اپنے طریق پر مناسک حج ادا کیا کرتے تھے۔

پھر حکم ہوا :-

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا"

مشرک نجس ہیں اس برس کے بعد وہ بیت اللہ کے قریب نہ آنے پائیں "

ان احکام کی تعمیل، اس وقت سے اب تک، ایسی سختی سے ہوتی رہی ہے کہ سوائے مسلمانوں کے، اور کسی مذہب والے کو، حرم میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، وہ تمام راستے جو مکہ معظمہ کو جاتے ہیں ان کی کامل طور پر حفاظت کی جاتی ہے اور جگہ جگہ مسافروں کی روک ٹوک اور پوچھ گچھ ہوتی رہتی ہے، اگر کسی پر ذرا بھی غیر مسلم ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے تو مسلمانوں کی شمشیر برہنہ سے کوئی چیز اس کو نجات نہیں دلا سکتی عیسائی، یہودی، بت پرست، سب ایک ہی تلوار کے گھاٹ اتارے جاتے ہیں۔ اس مہم کے سرانجام میں غیر مذہب والے جس خطرۂ عظیم میں مبتلا ہوتے ہیں اس کا اندازہ بہ مشکل ہو سکتا ہے، مشہور سیاح حجاز برٹن[1] لکھتا ہے کہ :-

" جس وقت میں لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ کعبے کی چار دیواری میں کھڑا تھا، اس وقت"
" میرے دل کی حالت بیان سے باہر تھی، میں جال میں پھنسے ہوئے چوہے سے مشابہ تھا "

ٹیٹس[2] جو حجاز کا سفر کر چکا ہے، اپنے سفرنامہ میں جب کسی چیز کو نہایت بے قدر و بے قیمت ظاہر کرتا ہے تو ان الفاظ میں کہتا ہے :-

" اس کی اتنی قیمت ہے جتنی کسی عیسائی کی جان کی مکے میں "

غیر مذہب والوں کو سفر حج میں جو خطرہ ہے اس کے متعلق برٹن اپنے سفرنامۂ حجاز کی جلد دوم میں لکھتا ہے :-

" مناسک حج میں شرکت کے خطرات اغیار کے لئے اب بھی بے انتہا ہیں، علوم مشرقی کے ایک "
" عالم مبتحر[3] نے اپنی ایک تصنیف میں جو چند سال قبل شائع ہو چکی ہے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "
" مکہ بغیر بھیس بدلے ہوئے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس مصنف کو یقین تھا کہ مکہ کا ترکی گورنر اب "

---

[1] کپتان رچارڈ فریڈرک برٹن جس نے ۱۸۵۳ء میں سفر حجاز کیا ہے اس کے حالات زندگی اور اس کے سفرنامہ پر ریویو ہم آئندہ لکھیں گے
[2] یہ سب سے پہلا انگریز ہے جو ایک غلام کی حیثیت سے ۱۶۹۳ء میں بہ تحریک گیا۔ آئندہ صفحات میں اس کا تذکرہ درج ہوگا
[3] افسوس ہے کہ برٹن نے اس عالم کا نام یا اس کی تصنیف کا نام نہیں لکھا۔

"کسی یورپین مسافر کی سیاحت میں رکاوٹ پیدا نہ کرے گا، مگر میں (برٹن) اپنے کسی دوست"
"کو ایسی کوشش کرنے کی ہرگز صلاح نہ دوں گا۔ یہ سچ ہے کہ آج کل اگر کوئی فرنگی جدہ میں باب المکہ"
"کی طرف چلا جائے تو اس کو وہ خطرہ نہیں ہے جو کپتان ہنڈ[1] کے زمانہ میں تھا اور اسی وجہ سے"
"ہمارے نائب کونسل اور سیاح اس شرط کے ساتھ کہ وہ کعبہ پر نظر نہ ڈالیں گے، طائف و مکہ"
"کے مشرقی جانب کے علاقہ کا سفر کر سکتے ہیں اور اگر کسی انگریز کا معاملہ ہو تو اس کو ترکی بادشاہ"
"و شریف مکہ قانون قدیم کے مطابق سزا دینے کی جرأت نہ کریں گے، جس کی رو سے ایسے غیر"
"مذہب والے سیاحوں کو یا تو قتل کر ڈالتے تھے یا کم از کم ختنہ کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ تاہم"
"جس بدوی کی نظر اس فرنگی سیاح پر پڑے گی وہ اپنے کو مرد نہ سمجھے گا، جب تک کہ وہ اس فرنگی"
"کی ٹوپی کو گولی سے نہ اڑا دے۔ زمانۂ حج میں حاجیوں کے جم غفیر کی وجہ سے آج کل بھیس"
"بدلنا بہت آسان ہو گیا ہے اور اب صرف ان شہدوں کی لپّہ ڈگی کا خطرہ ہے جو مسافر کا"
"پسینہ سونگھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ کہاں کا ہے، اس بدنصیب مسافر کی خرابی ہے جو کہیں"
"مجمع میں پہچان لیا جائے کہ یہ کوئی کافر ہے۔"

مدینۂ منورہ کی زیارت سے فارغ ہو جانے کے بعد برٹن نے اپنے تئیں ان الفاظ میں مبارک باد دی ہے:۔

"میں اپنے تئیں مبارک باد دیتا ہوں کہ پہلے خطرہ سے تو میں بچ کر نکل آیا، مکہ سمندر کے ساحل"
"سے اسقدر نزدیک ہے کہ وہاں اگر کسی فرنگی سیاح کا بھید کھل جائے تو وہ بھاگ کر"
"چند گھنٹے میں جدہ پہنچ سکتا ہے، وہاں اس کو ترکی حکام کی گیر و دار سے انگریزی نائب کونسل"
"کے ہاں پناہ مل سکتی ہے اور پھر وہ کسی انگریزی جہاز میں جو بندرگاہ میں موجود ہو بیٹھ کر فرار"
"ہو سکتا ہے، مدینہ میں اگر اس قسم کے مسافر کا بھانڈا پھوٹ جائے تو اس کی جان کے لالے"
"پڑ جائیں، اب دوسرا خطرہ مجھے مدینہ سے مکے تک کے سفر میں ہے، جہاں مقامی حکام"
"دو تین روپے کسی بدوی کو دے کر مشتبہ مسافر کو قتل کرا سکتے ہیں۔"

---

[1] کپتان سی۔ ایف۔ ہنڈ مصنف کتاب "مشرقی و مصری منظر" ۱۸۲۹ء میں جدہ کے مشرقی دروازہ تک جسے باب المکہ کہتے ہیں۔ انگریزی لباس میں چلا گیا تھا۔ بدویوں نے اسے پتھر مار مار کر مار ڈالا۔

باوجود اس خوف و تشدد کے بعض فرنگی حرمین الشریفین میں بھی پہنچے ہیں اور اپنی عزیز جانوں کو خطرہ میں جھونک کر اپنے ملک و قوم کے سامنے نئی معلومات کے ڈھیر لگا دئے ہیں۔ غیر مذہب والوں کے لئے سفر حجاز کی خطرناک مہم کی تکمیل کے واسطے اگرچہ عربی دانی اور عقائد اسلام کی واقفیت ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مذہب اسلام نے چونکہ غیر مذہب والوں کے واسطے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے لئے اپنے دروازے کھول رکھے ہیں، اس وجہ سے یہ مہم جس قدر مشکل ہے اتنی ہی آسان بھی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ احکام شریعت اقرار زبانی و اعمال ظاہری پر جاری ہوتے ہیں اور مذہب اسلام نے مسلمانوں کی طرف بدگمانی کرنے کی بھی ممانعت کر دی ہے، اس واسطے جب کسی مذہب کا پیرو سنجیدگی و متانت سے کلمۂ شہادت پڑھ دیتا ہے تو مسلمان اسے سر آنکھوں پر بٹھانے کو تیار ہو جاتے ہیں اور پھر چاہے کوئی معمولی مسجد ہو یا بیت اللہ ہر جگہ اس کی آؤ بھگت ہونے لگتی ہے، اس کے واسطے نہ عربی دانی کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ کسی اور خاص زبان کی، نہ اسلامی عقائد سے واقفیت کی، غرض کہ اس نومسلمی کی آڑ میں بہت سے فرنگیوں نے شکار کھیلا ہے۔ اور جب وہ حجاز سے بچ کر نکل آئے ہیں تو اپنی قابلیت و علمیت کے متعلق خوب شیخیاں بگھاری ہیں۔ ہماری نظر سے فرنگی سیاحان عرب کے جس قدر سفرنامے گزرے ہیں ان سے واضح ہے کہ بعض فرنگیوں نے تو مسلمانوں کے نومسلم غلاموں کی حیثیت سے سفر حجاز کیا، بعض نے اپنے کو نومسلم ظاہر کیا اور بعض نے بقول ان کے اپنے تئیں خاندانی اور پیدائشی مسلمان ظاہر کیا، لیکن شبہ ان تینوں قسم کے سیاحوں پر ہوا جو غلام تھے ان کی نسبت تو مسلمانوں کو یہی خیال ہوا کہ غلام کی ذات بے وفا ہوتی ہے، ممکن ہے کہ بمصداق

خر عیسے اگر بہ مکہ رود چوں بیاید ہنوز خر باشد

یہ پھر اپنی قوم میں شریک ہو کر اپنا قدیم مذہب اختیار کر لیں، جو آزاد نومسلم فرنگی تھے وہ مشتبہ نظروں سے دیکھے گئے[1] لیکن شبہ کا فائدہ ہمیشہ ملزموں ہی کو دیا گیا، اب رہے وہ فرنگی جنہوں نے اپنے تئیں آبائی مسلمان کہا، ان کی نسبت یقین نہیں کہ آیا فی الحقیقت انھوں نے عربوں کے سامنے پیدائشی مسلمان ظاہر

---

[1] اس قسم کے سیاحوں کی بہترین مثال شیخ ابراہیم ابن عبداللہ عرف برکھارٹ ہے جس کو خدیو محمد علی پاشا نے طائف میں صرف اسی شبہ پر کہ وہ پکا مسلمان نہیں ہے نظر بند رکھا تھا اور بر سر دربار برکھارٹ سے کہا تھا کہ محض ڈاڑھی بڑھا لینے سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔

کیا تھا یا محض اپنے سفرنامہ ہی میں لکھ دیا ہے، اگر یہ صحیح مان لیا جائے کہ انھوں نے اپنے تئیں پشتینی مسلمان ظاہر کیا تھا تو خود ان کے واقعات سفر سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر جگہ وہ پہچان لئے گئے اور اس طرح ان کا مکر چھپا نہیں، اس قسم کے سیاحوں میں سے ہم برٹن کو پیش کرتے ہیں، جس کی قابلیت و علمی تبحر نے اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ وہ نومسلمی کی ذلت گوارا کرتا، اس لئے اس نے اپنے کو رنگون کا رہنے والا آبائی مسلمان سنی المذہب و شافعی مشرب پٹھان ظاہر کیا اور اپنا نام حکیم عبداللہ خان بتایا، مگر شبہ سے بچ نہ سکا جس کا خود اس نے اعتراف کیا ہے، تاہم اگر اس پر مطلق شبہ نہ ہوتا تو بھی کچھ بعید نہ تھا، کیونکہ اس سفر کے لئے جو تدبیریں اس نے اختیار کی تھیں، ان کی وجہ سے اس کی اصلیت کا چھپا رہنا ممکن تھا، مصر سے وہ عربوں کے ساتھ مدینہ و مکہ گیا تھا، جن سے وہ عربی میں بات چیت کیا کرتا تھا، اس وجہ سے اس کی حقیقت کھلنے نہ پائی کہ وہ ہندوستان کا رہنے والا ہے یا کہیں اور کا، اور اسکی زبان اردو اہل زبان کی سی اردو ہے، یا صاحب بہادروں کی سی، اس نے ایک شخص مسمی شیخ نور پنجابی کو بھی قاہرہ میں ملازم رکھ لیا تھا، جو حج و زیارت میں اس کے ساتھ رہا اور جیسا کہ برٹن نے لکھا ہے، شیخ نور ایک بیوقوف آدمی تھا اس گنوار کو کیا معلوم کہ رنگون میں کیسی اردو بولتے ہیں، اس سے اگر برٹن اردو میں بات چیت بھی کرتا ہوگا تو وہ یہی سمجھتا ہوگا کہ رنگون والوں کا لب و لہجہ شاید ایسا ہی ہو، ہاں اگر برٹن ہندوستانیوں کے ساتھ سفر کرتا اور مکہ و مدینہ میں ہندوستانی مہاجرین و حجاج کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا تو فوراً قلعی کھل جاتی، پھر بھی اس کے ایک کم عمر عرب ملازم محمد نامی لڑکے نے آخر میں اس کو تاڑ ہی لیا کہ یہ ہندوستان کا کوئی انگریز ہے، اس بارہ میں برٹن کہتا ہے کہ

"مسلمانوں کے ملکوں سے بغیر کسی شخص کے شبہ کئے ہوئے کامیابی کے ساتھ واپس آجانا"

"ناممکن ہے اور یہ مشہور کرنا کہ ہم پر کسی کو شک نہیں ہوا، صریح غلط اور دھوکا ہے۔"

مشہور سیاح پلگریو[1] جس نے سنہ ۱۸۶۲ء میں وسط عرب و نجد کی سیاحت کی ہے اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے:۔

---

[1] چونکہ بجز حرمین الشریفین کے عرب کے دوسرے شہروں میں از روئے احکام مذہبی غیر مذہب والوں کو داخل ہونے کی ممانعت نہیں ہے، اس لئے عرب کے نجد و یمن وغیرہ ممالک کی سیر اکثر فرنگیوں نے کی ہے جن میں سے ایک پلگریو بھی ہے،

" میں کبھی ان لوگوں کا یقین نہیں کرتا جو یہ مشہور کرتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کے بھیس میں "
" بغیر کسی کے شک و شبہ کئے ہوئے اسلامی ممالک کی سیر کی اکثر ان دھوکے بازوں کے "
" انجام خراب ہی ہوئے ہیں اور جو خوش قسمتی سے زندہ بچ کر نکل آئے ہیں انھوں نے "
" شیخیاں بگھاری ہیں اور دین اسلام کا مضحکہ اڑا کر اپنی فرضی کامیابی کو بڑے فخر سے "
" بیان کیا ہے، مگر مجھ کو یقین واثق ہے کہ ہرگز کوئی شخص بلا شبہ صاف بچ کر نہیں آسکتا "
" میں نے کئی شخصوں سے جنھوں نے درویشانہ وضع اختیار کر کے ان ممالک کی سیر کی تھی "
" بہت کچھ حالات سنے ہیں، یہ لوگ کوئی معمولی لیاقت کے آدمی نہ تھے، بلکہ بڑے قابل "
" اور دین اسلام کے تمام اصول و فروع سے واقف تھے، انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہم "
" ہر شہر میں شبہ ہوا۔ اکثر جگہ ہم پکڑے گئے، مگر خوش قسمتی سے ایسے آدمیوں کے ہاتھوں "
" میں گرفتار ہوئے، جن کے ہاتھ پاؤں جوڑ کر جان بچالی، انہی وجوہ سے میں کبھی اعتبار "
" نہیں کر سکتا کہ کم استعداد اور ظاہری طمطراق والے سیاح اپنے مکر میں ان درویشوں سے "
" زیادہ کامیاب ہوئے ہوں۔

برکھارٹ اپنے سفرنامۂ شام میں لکھتا ہے:۔

" ایک مرتبہ میں چند جاہل بدویوں کے سامنے عنترہ شاعر کے کچھ عربی اشعار پڑھ رہا تھا "
" ان وحشیوں کو خوبی کلام کے باعث ایسا لطف آیا کہ جھومنے لگے، مگر عربی الفاظ کا تلفظ "
" چونکہ مجھ سے صحیح ادا نہیں ہو رہا تھا، اس وجہ سے ان کو ایسا غصہ آیا کہ وہ کاغذ جس پر "
" اشعار لکھے ہوئے تھے میرے ہاتھ سے چھین کر پھاڑ ڈالا۔"

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جاہل عربوں کو بھی دھوکا دینا آسان کام نہیں ہے اور برکہارٹ و برٹن جن کی عربی دانی کے تمام یورپ میں ڈنکے بجے ہوئے ہیں، جب ناکامیاب ہوں تو معمولی آدمی کی مکاری ان کے سامنے کیا پیش جا سکتی ہے، غیر مذہب والے خواہ کتنا ہی فریب کریں اور منافق چاہے جیسا روپ بھریں مگر مسلمان ان کو تاڑ ہی جاتے ہیں۔

بہر رنگے کہ خواہی برقع می پوش من انداز قدت را می شناسم

بلحاظ مضامین فرنگی سیاحوں کے سفرناموں سے میں نے حسب ذیل تین قسم کے واقعات لکھے ہیں ۱۔

(۱) وہ واقعات جن میں رسماً یا عادۃً کوئی نئی بات معلوم ہوئی۔

(۲) ایسے واقعات جن میں مسلمانوں کی مدح یا ذم کی گئی ہے۔

(۳) وہ واقعات جن میں مذہب اسلام پر کوئی متعصبانہ حملہ کیا گیا ہے۔

واقعات مذکورۂ بالا کے ضمن میں اکثر موقعوں پر میں نے بغرض اظہار حقیقت اپنا خیال بھی ظاہر کر دیا ہے

مجھے امید ہے کہ ان سیاحوں نے مسلمانوں کے جو حقیقی عیوب ظاہر کئے ہیں، ان سے مسلمان عبرت حاصل کریں گے اور خلاف شرع رسم و رواج و عادات سے اپنے مقدس مشہدوں کو بدنام نہ کریں گے۔

---

۱ لوئس برٹما

سب سے پہلا یوروپین سیاح جس نے مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ کے حالات لکھے وہ شہر روم[۱] کا باشندہ لوئس برٹما تھا۔ عجائبات عالم اور دنیا کی سیر نے اس کو اس مہم پر آمادہ کیا تھا۔ آغاز سنہ ۱۵۰۳ء میں وہ وینس[۲] سے روانہ ہو کر اسکندریہ پہنچا، اور مصر و طرابلس[۳] و بیروت[۴] و انطاکیہ[۵] کی سیر کرتا ہوا دمشق[۶] آیا۔ اپریل سنہ ۱۵۰۳ء میں وہ

---

[۱] شہر روم اطالیہ کا پایۂ تخت ہے [۲] وینس اطالیہ کا نہایت خوشنما و خوبصورت تجارتی شہر ہے یہ چھوٹے چھوٹے جزیروں پر آباد ہے۔ یہاں نہروں کی یہ کثرت ہے کہ سڑکوں کی طرح گلی کوچوں اور مختلف محلوں میں سے بہتی ہیں۔ لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں جاتے ہیں۔

[۳] طرابلس افریقیہ کا ایک ملک ہے جو ایک طرف مصر سے اور دوسری جانب بحر روم سے ملا ہوا ہے چند سال قبل اس پر ترکوں کا قبضہ تھا۔ جنگ اٹلی و طرابلس کے بعد ترکوں نے اس کو عربوں کے حوالہ کر دیا اور اب یہ علاقہ شیخ سنوسی کے قبضہ میں ہے۔

[۴] بیروت ساحل شام کا سب سے بڑا بندرگاہ اور مشہور شہر ہے۔

[۵] انطاکیہ شام کا مشہور شہر ہے زمانۂ قدیم میں یہ بڑی بستی تھی۔

[۶] دمشق شام کا نہایت خوشنما اور دنیا کے سب سے زیادہ قدیمی شہروں میں سے ہے تخمیناً سو برس تک خلفاء بنی امیہ کا دار السلطنت رہا ہے ابن بطوطہ و ابن جبیر وغیرہ سیاحوں نے اس کو شرق کی جنت لکھا ہے، یہاں کی اکثر مساجد مقابر زیارت گاہ ہیں

دمشق سے ایک ملوک[1] کپتان کے ساتھ محمل شامی[2] کے ہمراہ حج کو روانہ ہوا اور خود بھی ملوکوں کا سا لباس پہن لیا برتما لکھتا ہے کہ اس سال قافلۂ شامی کے ساتھ چالیس ہزار حاجی اور پینتیس ۳۵ ہزار اونٹ تھے، راستے میں ایک دفعہ چوبیس ہزار عربوں نے اس قافلہ پر حملہ کر لیا، مگر میدان میں پندرہ سو لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے قافلہ میں سے صرف ایک مرد اور ایک عورت ہلاک ہوئی، بقول برتما کے یہ معجزہ ملوکوں کی بہادری و تجربہ کاری کی وجہ سے ظاہر ہوا تھا، انھوں نے اونٹوں کا ایک قلعہ سا بنا کر سوداگروں کو بیچ میں کر دیا اور حاجی ہر طرف سے بڑی بہادری سے لڑے، علاوہ ازیں عربوں کے پاس ہتھیار بھی نہ تھے، وہ باریک ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے ہوئے تھے، بعض ننگے ہی تھے، ان کے گھوڑوں پر نہ خوگیر تھی نہ کاٹھی، غرض ان وجوہ سے عربوں کو یہ شکست فاش ہوئی، ہمارے خیال میں برتما نے اس بیان میں مبالغہ سے کام لیا ہے، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ عرب ڈاکو بالکل نہتے قافلہ پر آ گرے ہوں، ہتھیار باندھنا عربوں کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے، اس زمانہ میں بھی کہ عربوں کی لڑائیاں تقریباً موقوف ہو گئی ہیں، عرب کا ایک ایک گدھے والا اور ہل جوتنے والا بھی چھ ضربی تفنگچہ بغل میں دابے پھرتا ہے۔

برتما حج و زیارت کے بعد جدہ چلا گیا، اس موقع پر وہ لکھتا ہے "قافلہ کا بگل بجانے والا ملوکوں کو ہوشیار کرتا ہی رہا کہ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر سفر شام کے لئے تیار ہو جاؤ اور جو اس کی تعمیل نہ کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا، مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی اور مکہ میں ایک شخص کے گھر میں دبک گیا اور پھر جدے پہنچ کر بحر احمر[3] کی راہ سے ایران کا رستہ لیا، برتما جب یمن[4] کے بعض بندرگاہوں سے گزر رہا تھا۔

---

[1] ملوک ان عیسائیوں کو کہتے تھے جو ترکوں کی غلامی میں آ کر مسلمان ہو جاتے تھے، ان کا لباس بھی بطور امتیاز کے بالکل علیحدہ ہی قسم کا ہوتا تھا ۱۲ [2] محمل شامی۔ شامی قافلہ کو محمل شامی بھی کہتے ہیں، محمل ایک تعزیہ نما کجاوہ ہوتا ہے جس پر جھنڈیاں اور پھندنے وغیرہ لگا کر سجاتے ہیں اور ریشمی کپڑا اس پر منڈھ کر قرآنی آیات زرین کام سے کاڑھ دیتے ہیں اگلے زمانہ میں تو ہر قافلہ کے ساتھ ایک محمل رہا کرتا تھا، اس زمانہ میں دو محمل مشہور ہیں ایک محمل مصری دوسرا محمل شامی، محمل مصری کے ساتھ غلاف کعبہ آتا ہے اور محمل شامی قسطنطنیہ سے شام ہوتا ہوا داخل حجاز ہوتا ہے، یہ حاجیوں کا سب سے بڑا قافلہ ہوتا ہے ہزارہا حاجی اور ہزاروں اونٹ اس میں ہوتے ہیں، جس جس گاؤں سے یہ محمل گزرتا ہے قدم قدم پر حاجی اس کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں مکہ و مدینہ میں اس کی آمد کے وقت بڑی دھوم دھام ہوتی ہے ۱۲ [3] بحر احمر عرب کے مغرب میں ایک دریا ہے جس کا طول (۱۴۰۰) میل اور عرض (۲۰۰) میل ہے اس سمندر میں بعض چھوٹے چھوٹے جانور ایسے ہوتے ہیں، جن سے پانی کا رنگ گہرا سرخ ہو جاتا ہے، اس وجہ سے اس کا نام بحر احمر رکھا گیا ہے بعض کہتے ہیں اس میں مونگا بکثرت ہوتا ہے اس وجہ سے اسے بحر احمر کہتے ہیں، مکہ معظمہ کا مشہور بندرگاہ جدہ اسی ساحل پر واقع ہے ۱۲ [4] یمن عرب کا ایک صوبہ ہے پیشتر ترکی کے زیر اثر تھا اب تقریباً خود مختار ہے، یہاں کے حاکم کو امام کہتے ہیں یمن کا پایہ تخت صنعا ہے، عقیق یمن اور برد یمانی (یمن کی چادریں) بہت مشہور ہیں ۱۲

عدن[1] کے مسلمانوں نے اس کو پرتگیزوں کا جاسوس سمجھ کر گرفتار کرلیا اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدیں وہ کہتا ہے ایک بت پرست نے (کیسی مسلمان کی شان میں فرمایا ہے) اسے دیکھ کر کہا کہ "او کتے کے بچے کتے!" اور اس کا تعاقب کر کے پکڑوا دیا، جب برٹما کو سلطان عدن کے سامنے لے گئے تو اس نے اپنے تئیں نو مسلم رومی مملوک ظاہر کیا، مگر جب اس سے کلمہ پڑھنے کے لئے کہا گیا تو وہ چپ ہوگیا، اس موقعہ پر وہ کہتا ہے کہ "یا تو خدا کو منظور نہ تھا یا ڈر کے مارے میری ہمت نہ پڑی اور میں اس جرم میں جنت سے محروم رہا" برٹما کا یہ طنز ہے گویا مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ بغیر صدق دل سے ایمان لائے ہوئے صرف زبان سے کلمہ پڑھ کر انسان بہشت میں جاسکتا ہے، سلطان عدن کی قید میں اس نے اپنے تئیں باولا بنالیا اور جنون کی آڑ میں طرح طرح کے کھیل کھیلے عجیب عجیب مضحکہ خیز حرکتیں کیا کرتا تھا مثلاً ایک مرتبہ اس نے ایک بھیڑ کو مسلمان کیا اور ایک دفعہ ایک گدھے کو اس قصور پر مار ڈالا کہ وہ اپنا مذہب تبدیل نہیں کرتا تھا۔ برٹما کی اس قسم کی باتوں سے یہاں والوں کو یقین ہوگیا کہ یہ شخص پاگل ہے اور پھر اس کی کچھ روک تھام نہ رہی۔ آخر کچھ روز بعد وہ کسی جہاز کے کپتان کے ساتھ دوستی گانٹھ کر ہندوستانی بیڑے کے ہمراہ ایران روانہ ہوگیا۔ وہاں سے ہندوستان گیا اور پیگو[2]، سماٹرا[3]، جاوا[4]، بورنیو[5] وغیرہ مقامات کی سیر کرتا ہوا کالی کٹ[6] پہنچا۔

---

[1] عدن بحر احمر کے دہانے پر ایک مشہور بندرگاہ و شہر ہے یہاں پیشتر عربوں کی حکومت تھی ۱۸۳۸ء سے اس پر انگریزوں کا قبضہ ہے۔

[2] پیگو ملک برہما کا ایک صوبہ و شہر ہے۔ یہاں کے ٹانگن مشہور ہوتے ہیں۔ بڑی تجارت گاہ ہے۔

[3] سماٹرا مشرقی مجمع الجزائر ہند میں سے ایک بڑا جزیرہ ہے، جس کا رقبہ ڈیڑھ لاکھ مربع میل ہے اس پر سلطنت ہالینڈ کا قبضہ ہے۔

[4] جاوا۔ مشرقی مجمع الجزائر ہند کا سب سے زیادہ آباد جزیرہ ہے جو بائیس صوبوں پر منقسم ہے یہاں بھی ہالینڈ کی حکومت ہے۔

[5] بورنیو مشرقی مجمع الجزائر ہند کا سب سے بڑا جزیرہ ہے، جس کا رقبہ دو لاکھ ستر ہزار مربع میل ہے، چاول اور گرم مصالحہ یہاں کی خاص پیداوار ہے، حکومت ہالینڈ کی ہے۔

[6] کالی کٹ مدراس کا ایک مشہور بندرگاہ ہے جو مغربی ساحل ہند یعنی ساحل ملبار پر واقع ہے یہاں کا کپڑا بہت مشہور ہے، یہاں کے عرب باشندوں یعنی موپلوں کی بغاوت یا جنگ آزادی نے جس کو دو سال گزرے، اس مقام کی شہرت بہت بڑھادی ہے۔

اور پھر پرتگیزوں[1] کے جہاز پر ممباسہ[2] و موزمبیق[3] ہوتا ہوا لسبن[4] آیا اور یہاں کچھ روز گزار کر اپنے وطن مالوف روم پہنچ گیا۔

اس پرانے سیاح کے سفرنامے میں بہت سی معلومات پائی جاتی ہیں، مگر عیب یہ ہے کہ اس نے افسانہ گوئی سے کام لیا ہے اور اکثر واقعات بہت ہی مبالغے سے بیان کئے ہیں مثلاً مدینۂ منورہ کے قریب جو ایک قصبہ خیبر ہے، جہاں کی جنگ بہت مشہور ہے، وہاں کے یہودیوں کی نسبت وہ لکھتا ہے :۔ "ان کے قد چھوٹے چھوٹے کوئی پانچ چھ بالشت کے یا اس سے بھی کم ہوتے ہیں، ان کی آوازیں عورتوں کی آواز کے مثل باریک ہوتی ہیں، ان کا رنگ عموماً سیاہ ہے، بعض بہت کالے بھی ہوتے ہیں، یہ اپنا یہودی مذہب چھپاتے نہیں، اگر اتفاق سے کوئی مسلمان ان کے ہاتھ لگ جاتا ہے تو یہ زندہ کی کھال کھینچ ڈالتے ہیں۔" زمانۂ حال کے سیاح ان یہودیوں کے وجود کی نسبت کچھ ذکر نہیں کرتے، ممکن ہے بڑھانے یہاں کے مسلمانوں کو جو بعض یہودی النسل ہیں یہودی سمجھا ہو اور ان کی آدم خوری اور ان کے بالشتیہ ہونے کا قصہ یا تو کسی جاہل کی زبانی سن کر یا اپنی طرف سے گھڑ دیا ہے۔

مکۂ معظمہ کے حالات میں وہ لکھتا ہے "یہاں دو گینڈے ہیں۔ چھوٹا گینڈا کوئی ایک برس کا ہے، اور بچھڑا سا معلوم ہوتا ہے، اس کا سر لمبائی میں کوئی چار مٹھی ہوگا اور ہرن کے سر کے مثل ہے، اس کی ٹانگیں دبلی پتلی ہرن کے بچے کی سی ہیں، اس کے کھر بیچ میں سے چرے ہوئے ہیں، جیسے بکری کے ہوتے ہیں، یہ گینڈے ایتھوپیا[5] سے یہاں بھیجے گئے ہیں اور بطور عجائبات کے لوگوں کو دکھائے جاتے ہیں" ہمارے خیال میں غالباً افریقہ کے یہ بارہ سنگے ہوں گے اور ذاتی طور پر یا کسی وجہ سے ان کا ایک ایک سینگ ٹوٹ گیا ہوگا۔

---

[1] یورپ کا ایک ملک پرتگال ہے یہاں کے باشندوں کو پرتگیز کہتے ہیں، کسی زمانے میں یہ لوگ بڑے جہاز راں تھے، ہندوستان میں بھی پرتگیزوں کے مقبوضات گوا، دمن وغیرہ ہیں، یہاں کی شراب مشہور ہے جسے پورٹ وائن کہتے ہیں۔

[2] ممباسہ مشرقی افریقہ میں انگریزوں کا ایک بڑا شہر و بندرگاہ ہے۔

[3] موزمبیق افریقہ کی مشہور بندر اور مشرقی افریقہ میں پرتگیز حکومت کا ایک بڑا شہر ہے۔

[4] لسبن سلطنت پرتگال کا پایہ تخت ہے، اس کی آبادی چار لاکھ ہے ۱۷۵۵ء میں یہاں ایک زلزلہ آیا تھا جس میں ساٹھ ہزار آدمی ہلاک ہوئے تھے۔

[5] ایتھوپیا ملک سمالی لینڈ واقع افریقہ کا ایک حصہ ہے۔

تاہم اس قصہ پر جھوٹ کا شبہ باقی رہتا ہے۔

تاریخ خصائص انسانی کے متعلق بھی برٹما بہت ضعیف الاعتقاد معلوم ہوتا ہے مثلاً سلطان صنعا کے لڑکے مسمی محمود کی نسبت وہ لکھتا ہے:۔

"فطرتی ظالمانہ جنون کے باعث اس کو آدمیوں کے گوشت سے بڑی رغبت ہے، وہ خفیہ طور پر لوگوں کو قتل کرتا ہے اور ان کا گوشت زہر مار کرتا ہے۔"

مدینہ منورہ کے حالات میں وہ لکھتا ہے:۔

"اب یہ موقع ہے کہ اس اعتقاد کی تردید کردی جائے کہ محمد (صلعم) کا مزار (مبارک) بغیر کسی چیز کے سہارے کے ہوا میں معلق ہے، اس کی نسبت میری قطعی رائے ہے کہ نہ یہ سچ ہے اور نہ اس میں حقیقت کا کوئی شائبہ ہے۔"

واللہ اعلم کون سے جاہل مسلمان کا ایسا عقیدہ ہوگا، آج تک ہم نے تو نہ کسی سے سنا نہ کسی کتاب میں دیکھا۔

برٹما اپنے سفرنامہ کی جلد اول باب (۱۲) میں لکھتا ہے:۔

"یہ وہ مقبرہ ہے جس میں محمد (صلعم) اور ان کے صحابہ دفن ہیں، جن کے نام نبیؐ، بوبکرؓ، عثمانؓ، عمرؓ، فاطمہؓ ہیں، لیکن محمد (صلعم) جو عرب میں پیدا ہوئے تھے، ان کے خاص کپتان تھے، علیؓ ان کے داماد تھے، جن کو (حضرت) فاطمہ بیاہی گئیں، بوبکرؓ ان کے مشیر خاص اور بڑے گورنر تھے، مگر ان کو نبوت یا رسالت کا درجہ حاصل نہیں ہوا تھا جیسا کہ محمد (صلعم) کو حاصل ہو چکا تھا، عثمانؓ و عمرؓ، محمدؐ کی فوج کے خاص سردار تھے۔"

برٹما کا یہ بیان ناواقفیت پر مبنی ہے، کسی مسلمان کا یہ خیال نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت سیدہؓ روضۂ نبوی میں دفن ہیں[1]۔

مسلمانوں کے اختلاف مذہبی کے متعلق برٹما نے جو افسوسناک ریمارک کیا ہے، مسلمان اسے غور سے پڑھیں اور عبرت حاصل کریں، صحابہ کے ذکر کے بعد وہ لکھتا ہے:۔

---

[1] حضرت عثمانؓ کا مزار مدینۂ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں ہے۔

"ان میں سے ہر ایک کے واقعات و روایات کی جدا جدا کتابیں موجود ہیں، اور اسی وجہ سے مذہب و طریق کے متعلق ان ناپاک لوگوں میں بڑا جھگڑا چلا آ رہا ہے، اپنے اپنے امام و پیران طریقت کے اصول کے لحاظ سے بعض کسی طریق کے پابند ہیں اور بعض کسی کے۔ اس بنا پر مختلف فرقے اور مختلف مذاہب قائم ہو گئے ہیں، جو آپس میں ہمیشہ جوتی بیزار کرتے رہتے ہیں اور جانوروں کی طرح مارنے مرنے پر آمادہ رہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ حق پر کوئی بھی نہیں ہے، یہی سبب ہے کہ ایرانیوں اور ترکوں میں مخاصمت ہے، باوجودیکہ دونوں مسلمان ہیں، مگر تعصب مذہبی کی وجہ سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں، ہر فرقہ اپنے ہی طریقہ کو سب سے اچھا سمجھتا ہے۔"

مدینۂ منورہ کے حالات میں برٹما نے ایک اور واقعہ بھی عجیب لکھا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ واقعہ محض برٹما کی من گڑھت ہے یا مملوک (نومسلم عیسائیوں) کا بنایا ہوا افسانہ ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"روضۂ رسول اللہ کی زیارت کے لئے جس روز ہم مدینے پہنچے، اسی رات کو ہمارے کپتان نے شیخ الحرم[1] کو اپنے پاس بلا بھیجا اور اس سے کہا یہاں میرے آنے کی یہی وجہ ہے کہ آنحضرت کے مرقد (مبارک) اور جسد (اطہر) کی زیارت سے مشرف ہوں، میں نے سنا ہے کہ اس فضیلت کے حاصل کرنے میں چار ہزار اشرفیاں خرچ کرنی پڑتی ہیں، یہ بھی میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ یہاں نہ میرے باپ ہیں نہ بھائی بہن نہ بیوی بچے نہ کوئی اور رشتہ دار نہ یہاں میں تجارت کے لئے آیا ہوں نہ کسی اور بنج بیوپار کے لئے، صرف میرا عقیدہ مجھے یہاں کھینچ لایا ہے، میں حضرت رسول خدا کی روح پاک پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور ان کے جسد مطہر کی زیارت کی تمنا ہے۔"

یہ سن کر شیخ الحرم نے جسے سب لوگ سید سید کہہ کر پکارتے تھے، بہت ہی حیرت زدہ صورت بنا کر کہا:۔

"تو ان آنکھوں سے جنھوں نے بے شمار گناہ کبیرہ کئے ہیں، اس برگزیدہ نبیؐ کی زیارت کی تمنا رکھتا ہے، جس کی خاطر خدا نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں۔"

---

[1] روضۂ منورہ کے خادموں اور خواجہ سراؤں کے افسر کو شیخ الحرم کہتے ہیں۔

ہمارے کپتان نے جواب دیا۔

"اے میرے سید! آپ کا فرمانا بجا ہے، لیکن اگر آپ اس قدر عنایت فرمائیں کہ میں حضرت صلعم کی زیارت کر لوں تو زیارت کے بعد فوراً میں اپنی آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا تاکہ پھر دنیا کی کسی چیز پر میری نظر نہ پڑے۔"

سید نے جواب دیا: "اے شہزادے تیرے لئے میں سب چیزیں کھول دوں گا۔"

اس گفتگو کے بعد ہمارے کپتان نے مسجد نبوی سے باہر آکر ہم سے کہا "کیا اچھی چیز کے لئے میں چار ہزار اشرفیاں خرچ کرنے کو تیار تھا۔"

اسی روز رات کو تین بجے دس بارہ مقطع مجاور ہمارے قافلہ میں جو شہر کے باہر ٹھیرا ہوا تھا آئے، یہ لوگ بادلوں کی طرح اوپر اوپر بھاگتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے:۔

"محمد رسول اللہ دنیا میں اب دوبارہ تشریف لانے والے ہیں۔ یا رسول اللہ! یا اللہ! محمد پھر پیدا ہوگئے، یا اللہ ہم کو بخش دے۔"

یہ آوازیں سن کر ہمارا کپتان اور ہم سب چونک آٹے اور جھپٹ کر اپنے اپنے ہتیار اٹھالئے، ہم کو یہ گمان گزرا کہ ہمارے قافلہ کو لوٹنے کے لئے شاید عرب ہم پر آپڑے، یہ لوگ اس طرح غل مچا رہے تھے، جیسے کسی معجزے کے ظہور کے وقت شور مچاتے ہیں[1]، جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اس شور وغل کا کیا سبب ہے تو بڈھے مجاور نے جواب دیا کیا تم نے وہ روشنی نہیں دیکھی جو آنحضرت کے روضۂ منورہ سے ظاہر ہوئی ہے؟ ہمارے کپتان نے کہا کہ میں نے تو کچھ نہیں دیکھا اور ہم سب نے بھی یہی جواب دیا۔ اس پر ان بڈھے مجاوروں میں سے ایک نے پوچھا کیا تم غلام ہو یعنی خریدے ہوئے مملوک؟ ہمارے کپتان نے کہا ہاں۔ ہم حقیقت میں مملوک ہیں، یہ سن کر بڈھا کہنے لگا۔ صاحبو تم ایسی آسمانی چیزیں کہاں دیکھ سکتے ہو، تم تو مسلم ہو اور

[1] بیت المقدس میں حضرت عیسیٰ کی قبر پر (جسے ہو ہولی سپلکر (مزار شریف) کہتے ہیں اور جس میں مسیحی اعتقاد کے موافق حضرت عیسیٰ مصلوب ہونے کے بعد دفن کئے گئے تھے اور تیسرے روز زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے) مجاور لوگ بہت سے شعبدے دکھاتے ہیں جو معجزے سے تعبیر کئے جاتے ہیں اور ایسے موقعوں پر عیسائی بیت المقدس کی گلی کوچوں میں شور مچاتے پھرتے ہیں۔

ابھی مذہب میں پکے نہیں ہوئے۔ کپتان نے کہا۔ اے باولو! بیوقوف حیوانو! میں نے تم کو چار ہزار اشرفیاں دینے کا وعدہ کیا تھا اور اب تو اے کتے کے بچو تم کو میں ایک کوڑی بھی نہ دوں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مقبرے میں سے کوئی روشنی بھی نہیں نکلتی بجز اس شعلے کے جو خدام مقبرے کے ایک حصہ میں روشنی کر کے نکال لاتے ہیں۔ اس ترکیب سے انھوں نے ہم کو ٹھگنا چاہا تھا، اس کے بعد ہمارے کپتان نے کہہ دیا کہ اب مسجد میں مت جاؤ۔"

واقعۂ مذکورۂ بالا کی نسبت دو باتیں قابل غور ہیں، اول ملوک کپتان کی آنحضرت صلعم کے جسد اطہر کی زیارت کی استدعا، دوسرے قبر شریف و مرقد منیف سے روشنی ظاہر ہونا۔ امر اول کے متعلق ہر مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ کپتان کی درخواست محض نادانی کی درخواست تھی، آنحضرت کا جسد اطہر حجرے کے اندر قبر میں مدفون ہے اور یہ حجرہ چاروں طرف سے بند ہے، اس میں کوئی دروازہ کھڑکی یا شبکہ تک نہیں، جس میں سے جھانک سکیں، اس حجرے کے باہر ہر طرف چار چار گز جگہ چھوڑ کر ہشت دہات کی ڈھلی ہوئی ایک جالی لگی ہوئی ہے، اس پر سبز گنبد استادہ ہے، حجرے اور جالی کے درمیان جو جگہ ہے اس میں مختلف قسم کے تحائف سونے چاندی کے ظروف وغیرہ رکھے ہوئے ہیں اور جھاڑ فانوس لٹکے ہوئے ہیں اس جالی کے اندر داخل ہونے کے لئے دروازے ہیں اور اسمیں صرف خدام روشنی و صفائی وغیرہ کے لئے داخل ہو سکتے ہیں، معمولی زائرین کچھ تو خود بھی بلحاظ ادب و تعظیم اس جالی کے اندر نہیں جاتے اور کچھ ممانعت بھی ہے کہ مبادا کسی سے کوئی بے ادبی سرزد ہو جائے یا کوئی اُچکا الفنگا نو مسلم وہاں کی بیش قیمت اشیا میں سے کچھ لے اڑے۔ تاہم یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض متمول اور با اثر حاجی خادموں کو کچھ دے دلا کر یا شیخ الحرم[1] کی اجازت لے کر جالی کے اندر جا سکتے ہیں اور اس طرح اس مقدس مقام میں پہنچ کر اور حجرۂ شریف کی بیرونی

---

[1] شیخ الحرم نہایت واجب التعظیم اور محترم شخص ہوتا ہے، بڑے بڑے سلاطین اور شہزادے اس سے مصافحہ کرنا فخر سمجھتے ہیں ایک نو مسلم کپتان کی اس کے ساتھ یہ بے ادبانہ گفتگو قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔

[2] واقعی آنحضرت کے مقبرے سے اس قسم کی روشنی نہیں نکلتی جیسی کہ قبر المسیح علیہ السلام سے راہب اور پادری بیت المقدس میں نکالتے ہیں اور جس کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہم نے متن میں کیا ہے، اب رہا وہ شعلہ جو مقبرے کے ایک حصہ میں روشنی کرنے کے بعد خدام باہر لاتے ہیں وہ کوئی معجز نما روشنی نہیں ہے بلکہ ایک معمولی فتیلہ یا موم بتی ہوتی ہے جس سے حجرۂ شریف کے باہر جالی کے جھاڑ فانوس روشن کرتے ہیں اور فتیلہ ہاتھ میں سلئے باہر نکل آتے ہیں تاکہ دوسرے چراغ بھی اس سے روشن کر دیں، اس شعلہ میں کوئی کرامات نہیں ہے۔

دیواروں کو مس کر کے سعادت دارین حاصل کر سکتے ہیں، کپتان کی درخواست کی نسبت زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے جالی کے اندر داخل ہونے کی استدعا کی ہوگی، جس پر برٹما نے قبر شریف وجسد اطہر کی زیارت کا حاشیہ چڑھا دیا، اب رہا امر دوم یعنی قبر شریف سے نور یا روشنی کا نمودار ہونا۔ یہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ قبر شریف ایک ایسے حجرے میں ہے جو چاروں طرف سے بلکہ شش جہت سے بند ہے، پس جو نور اس قبر مطہر کو احاطہ کئے ہوئے ہے، وہ خدام اور عام زائرین سب کی نگاہ سے اوجھل ہے اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ قبر مبارک سے یا حجرۂ شریف سے ایسا نور ساطع ہوتا ہے کہ اس سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، اس قسم کی چیزوں کا تعلق عقائد و تصورات سے ہے، اگر کسی کے تخیلات پست اور نظر کوتاہ ہے تو یہ اس کا قصور ہے، ورنہ عاشقان رسول کو تو مدینے میں ہر طرف نور ہی نور نظر آتا ہے اور جن کو تعصب نے اندھا کر دیا ہے اور بدبینی نے جن کی آنکھوں میں خاک جھونک دی ہے ان کو اجالے میں بھی اندھیرا ہی دکھائی دیتا ہے، جس طریقہ سے برٹما نے اس مقام پر معجزہ نور کا ذکر کیا ہے اس کے لحاظ سے اگر برٹما کا بیان صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ خادموں نے شاید ان نومسلم عیسائیوں کو سمجھانے کے لئے حضرت عیسیٰ کی قبر کی روشنی کے قصہ کو آنحضرت کے روضۂ منورہ سے بھی منسوب کر دیا ہو ورنہ قیاس غالب یہ ہے کہ قبر مسیح علیہ السلام بیت المقدس میں جو معجزہ روشنی کا ظاہر ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں برٹما بڑی شیخی سے کہتا ہے کہ "آنحضرتؐ کے مقبرے میں سے کوئی روشنی بھی نہیں نکلتی"۔ اب ہم لگے ہاتھوں اس معجزے کی حقیقت بھی بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں، اس سے عیسائیوں کے خیالات اور برٹما کے عقائد پر کسی قدر روشنی پڑے گی۔

انجیل میں وارد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر چڑھانے کے بعد ایک قبر میں دفن کردیئے گئے تھے، تیسرے روز جب آپ کے بعض حواری قبر پر گئے تو قبر کھلی ہوئی دیکھی اور آپ کی لاش وہاں نہ پائی، اس کے بعد ایک فرشتہ نے جس کا چہرہ بجلی کے مثل چمکدار تھا، ان کو خوش خبری سنائی کہ آپ آسمان پر تشریف لے گئے، چنانچہ جناب مسیحؑ نے خود اپنے شاگردوں پر ظاہر ہو کر اس کی تصدیق بھی فرمائی، حضرت عیسیٰ کے دوبارہ زندہ ہونے کی یادگار میں عیسائی ایک عید مناتے ہیں جسے ایسٹر کہتے ہیں، یہ عید ۲۱ مارچ کے

بعد سے آخر اپریل تک کسی اتوار کو واقع ہوتی ہے، اس دن تمام عالم مسیحی میں خوشی منائی جاتی ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ بیت المقدس کے کلیسۂ ہولی سیپلکر (مزار شریف) میں جو قبر مسیح سے موسوم ہے، بڑی دھوم دھام ہوتی اور جیسا کہ بعد صلیب قبر مسیح سے برقی فرشتہ نمودار ہوا تھا، اب بھی سال کے سال اس عید کی شام کو روح القدس آگ کی شکل میں اس قبر پر نازل ہوتی ہے، اس کی زیارت کے لئے تمام دنیا سے عیسائی زائرین بیت المقدس پہنچتے ہیں اور روح القدس کی آگ سے اپنی مشعلیں روشن کرکے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں، کلیسۂ مزار شریف میں زائروں کی کثرت اور ان کی وحشیانہ دوڑ جھپٹ اور دھکا پیلی سے ہر سال کتنے ہی زائر کچل کر مر جاتے ہیں، اس آتشیں معجزہ کی کیفیت و اصلیت ہم کتاب مناظر فلسطین مرتبہ ریلیجس ٹریکٹ سوسائٹی لندن مطبوعہ ۱۸۶۷ء سے ترجمہ کرکے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

"بیت المقدس کے پادری اور ان کے مددگار جو کچھ شعبدہ بازیاں سال کے سال زائروں کو دکھاتے ہیں، ان میں سب سے بڑا وہ شعبدہ ہے، جو عید ایسٹر کی شام کو ہولی سیپلکر (مزار شریف) میں کیا جاتا ہے، یہ شعبدہ تمام بیہودگیوں اور مکاریوں سے سبقت لے گیا ہے۔ سالہا سال سے وہ خدا کا گھر اس کافرانہ فریب سے ناپاک کیا جاتا ہے، اس شعبدہ کا نام "مقدس آگ کا معجزہ" رکھا گیا ہے، اس روز صبح ہی سے کلیسۂ مزار شریف میں زائروں کے جم غفیر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور تمام کلیسہ آدمیوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے، صرف تھوڑی سی جگہ ترکی سپاہیوں کے لئے چھوڑ دی جاتی ہے، دوپہر تک زائرین کا مجمع بڑھتا جاتا ہے اور غول کے غول اس جمگھٹ میں شریک ہوتے جاتے ہیں اور دیوانہ وار قبر کے گرد ناچتے اچھلتے، کودتے، تالیاں بجاتے، وحشیانہ آوازیں نکالتے چیخیں مارتے، ایک دوسرے کے کندھوں پر ہاتھ ٹیک ٹیک کر اچھلتے ہوئے چکر لگاتے ہیں اس کے بعد دفعتہً تھوڑا سا راستہ صاف ہو جاتا ہے، اور ایک زرق برق جلوس ہاتھوں میں زربفت کی جھنڈیاں لئے ہوئے ادھر سے ادھر تین مرتبہ گزرتا ہے، اس کے بعد ایک چھوٹا سا گروہ پادریوں کا اپنے حلقہ میں "آگ والے" بڑے پادری کو لئے ہوئے لوگوں کو چیرتا پھاڑتا کلیسہ کے دروازہ تک پہنچتا ہے، دروازے میں اس پادری کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو جاتا ہے، کلیسا کی

"بیرونی دیوار میں ایک سوراخ ہے، یہاں ایک دوسرا پادری کھڑا رہتا ہے، اس جگہ سے لے کر گرجے کی دیوار تک آدمیوں کو ہٹا ہٹا کر مجمع کے بیچ میں ایک پتلی گلی سی بنا لیتے ہیں یہ وقت بڑے تاؤ کا ہوتا ہے اور ہر ایک زائر کا جوش و جذبہ انتہا کو پہنچ جاتا ہے، اتنے میں یکایک ایک چمکدار شعلہ سوراخ میں سے نمودار ہوتا ہے، اور یہ پادری اپنی مشعل اس سے روشن کر لیتا ہے اور پھر چاروں طرف سے اس آگ تک پہنچنے کے لئے ایک زبردست یورش اور ہلہ ہوتا ہے اور ہر شخص جان پر کھیل کر اس آگ سے اپنی مشعل روشن کرنے کے لئے سخت ترین جدوجہد کرتا ہے، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں ہزار ہا موم بتیاں اور شعلیں روشن ہو جاتی ہیں، اس کے بعد دھوئیں اور گرمی سے بچنے کے لئے ہر شخص باولوں کی طرح دروازے کی طرف بھاگتا ہے اور پھر دیوانوں کا یہ مجمع اپنے اپنے گھروں کو لوٹتا ہے اور سارے شہر میں وہ مقدس آگ لئے لئے پھرتا ہے۔

پیش تر عیسائیوں کے تمام فرقے اس رسم میں شریک ہوا کرتے تھے، لیکن جب کلیسائے روم کو کلیسائے یوناں نے اس گرجے سے خارج کر دیا اور اس فریب اور پاکھنڈ سے ان کو فائدہ اٹھانے کا موقع نہ رہا تو وہ اسے شعبدہ بازی اور مکاری سے تعبیر کرنے لگے، یہاں کے پادری اور ضعیف الاعتقاد زائر یہ خیال کرتے ہیں کہ روح القدس آگ کی شکل میں اس مبارک قبر پہ نازل ہوتی ہے، جب مشعل روشن کر کے باہر پہنچا دی جاتی ہے تو آگ والا پادری جو فی الحقیقت مشعل اندر سے روشن کر دیتا ہے لوگوں کے کندھوں پر ایک مصنوعی وجد اور بیہوشی کی حالت میں باہر نکلتا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اللہ تعالےٰ کے جاہ و جلال سے جس کی بارگاہ سے وہ ابھی واپس آ رہا ہے متاثر ہو گیا ہے، بیت المقدس کے پادریوں کو اس فریب سے بڑے فائدے ہیں، تمام دنیا کے عیسائی اس معجزے کو دیکھنے کے لئے دور دراز ملکوں سے یہاں کھچے چلے آتے ہیں۔"

اب ہم پھر برٹن کے سفرنامے کی طرف رجوع ہوتے ہیں، مدینہ سے مکہ معظمہ کے سفر کے حالات میں وہ لکھتا ہے

"جب مسلمانوں کے مذہب کی قابل نفرت ریاکاری و دغابازی سے ہمارا جی بھر گیا تو ہم نے سفر کا ارادہ کیا اور ایک مطوف کی رہنمائی سے جو قطب نما کے ذریعہ سے ہم کو راستہ بتاتا چلتا تھا ہم روانہ ہوئے۔"

مذہب اسلام کی عبادات کے متعلق ریٹمانے جو کچھ لکھا ہے ہم بجز اس کے اور کیا کہیں کہ اس نے اپنے تئیں نو مسلم ظاہر کر رکھا تھا، اور اس کے تمام کام مکاری و ریاکاری پر مبنی تھے، اس لئے اس نے اپنے نفس پر قیاس کرکے دین اسلام کے متعلق رائے قائم کی ہے۔ فقرۂ مذکورہ بالا میں یہ امر قابل غور ہے کہ عرب مطوف یا رہنما قطب نما استعمال نہیں کرتے، بلکہ وہ ہمیشہ ستاروں کے شمار سے یا جڑی بوٹیوں اور پہاڑوں کے کھوج پر اپنا راستہ نکالتے ہیں۔ آگے چل کر وہ لکھتا ہے:-

"مغرب کی طرف کچھ دور چلنے کے بعد ہم کو ایک چشمہ ملا، جس میں سے پانی بہ کثرت بہہ رہا تھا، اس مقام کے باشندوں نے ہم سے کہا کہ یہ سینٹ مارک یعنی مرقس[1] رسول کا کنواں ہے یہاں کا علاقہ ناقابل برداشت گرمی و خشکی سے جھلس رہا تھا، خدا نے مرقس کی دعا سے بطور معجزہ اس کنوے کو ظاہر کیا تھا۔"

حجاز میں مرقس کا نام بھی کسی نے نہیں سنا، غالباً یہ بھی مملوک عیسائیوں کے دماغ کی ایجاد ہے۔ مدینے کی کیفیت میں وہ لکھتا ہے:-

"اس موقع پر میں ریت کے اس سمندر کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو ہم کو رستے میں ملا تھا، یہ سمندر یہودیوں کے پہاڑ تک چلا گیا۔ اس میں ہم تین دن رات تک چلتے رہے، یہ بہت بڑا وسیع میدان ہے اور سفید ریت سے بھرا ہوا ہے۔"

مکہ و مدینہ کے درمیان ریت کے اس سمندر کا ذکر کسی سیاح نے نہیں کیا۔

مکۂ معظمہ کے حالات میں وہ لکھتا ہے۔ "مشرق کی طرف ایک کھلا میدان دو پہاڑوں کے بیچ میں

---

[1] مرقس رسول حضرت عیسیٰ کے ایک حواری تھے جنھوں نے حضرت مسیح کے حالات زندگی ایک کتابی صورت میں قلمبند کئے جو انجیل مرقس کے نام سے مشہور ہے اور منجملہ اناجیل اربعہ کے ایک انجیل مرقس کی بھی ہے۔ انگریزی میں مرقس رسول کو سینٹ مارک کہتے ہیں۔

وادی کے طور پر ہے، یہ راستہ اس پہاڑ کو گیا ہے جہاں ابراہیم و اسحاق کی سنت پر قربانیاں کی جاتی ہیں"۔ یہ غلط ہے کہ یہ راستہ جبل[1] عرفات کو گیا ہے اور قربانی عرفات میں نہیں ہوتی بلکہ منیٰ[2] میں ہوتی ہے ۔

قربانی کو حضرت اسحاق کی سنت بیان کرنا بھی عیسائیوں کا خیال ہے، بیت اللہ کے دروازوں کی تعداد برٹمانے (۹۰) یا (۱۰۰) لکھی ہے، یہ بے اندازہ جھوٹ ہے، قدیم سیاحوں نے کم سے کم بیس اور زیادہ سے زیادہ (۲۴) تعداد لکھی ہے، آج کل کے سیاح (۴۰) دروازے بتاتے ہیں، خانۂ کعبہ کے طول عرض کی نسبت وہ کہتا ہے کوئی چھ چھ قدم ہوگا، یہ بھی غلط ہے، برک ہارٹ نے ۱۸ قدم طول اور ۱۴ قدم عرض تحریر کیا ہے، برٹن نے ۲۲ قدم لمبائی اور ۱۸ قدم چوڑائی لکھی ہے، اس زمانہ کے مسلمان سیاح خانۂ کعبہ کو ایک مختلف الاضلاع مستطیل لکھتے ہیں، جن کے حساب سے اس کے چاروں اضلاع (۲۱ و ۲۵) و (۲۲ و ۲۴) قدم ہوتے ہیں

برٹمانے جس طرح مقام قربانی میں غلطی کی ہے ایسے ہی تاریخ قربانی میں بھی دھوکا کھایا ہے وہ لکھتا ہے "دامن جبل عرفات میں نویں ذی حجہ کو قربانی کی جاتی ہے اور پھر کہتا ہے یہاں دو روز تک حاجی ٹھہرے رہتے ہیں"۔ حقیقت یہ ہے کہ ۹ ذی حجہ کو خطبۂ عرفات میں شریک ہو کر اسی روز شام کو چار یا پانچ بجے تک حاجی واپس ہو جاتے ہیں اور رات مزدلفہ[3] میں گزار کر صبح منیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور ۱۰، ۱۱ و ۱۲ ذی حجہ کو منیٰ میں قیام کر کے یہیں قربانیاں کرتے ہیں۔ عموماً تمام حجاج ۱۲ ذی حجہ کو مکۂ معظمہ سے واپس آجاتے ہیں، بعض حاجی ۱۰ ذی حجہ کو مکۂ معظمہ جا کر بعد زیارت کعبہ اسی دن منیٰ واپس چلے جاتے ہیں۔

---

[1] عرفات مکۂ معظمہ سے جانب مشرق نو میل ہے، یہاں ایک بہت بڑا میدان اور ایک پہاڑی ہے جسے جبل عرفات یا کوہ رحمت کہتے ہیں۔ نویں ذی حجہ کو تمام دنیا کے حاجی یہاں جمع ہوتے ہیں، پہاڑی کے نزدیک ایک مسجد ہے جسے مسجد ابراہیم کہتے ہیں یہاں منبر کے پاس کھڑا ہو کر امام خطبہ پڑھتا ہے، اس کے بعد ہر شخص حاجی کے لقب سے پکارا جانے لگتا ہے۔

[2] منیٰ مکۂ معظمہ سے تین چار میل عرفات کے راستہ پر واقع ہے، یہاں بہت سے مکان بنے ہوئے ہیں جو صرف ایام حج میں کرایہ پر دیدیئے جاتے ہیں باقی ایام میں خالی پڑے رہتے ہیں، حاجی عرفات سے واپس آکر منیٰ میں تین روز قیام کرتے ہیں، اس جگہ قربانی بھی کی جاتی ہے

[3] مکۂ معظمہ سے عرفات کی سڑک پر چار کوس کے فاصلہ پر ایک میدان ہے جسے مزدلفہ کہتے ہیں، منیٰ سے ڈیڑھ دو کوس ہوگا، یہاں ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کا صرف ایک ہی مینار ہے، حاجی عرفات سے واپسی کے وقت ۹ ذی حجہ کی رات کو یہاں قیام کرتے ہیں کنکریاں جو شیطان پر منیٰ میں پھینکی جاتی ہیں، حاجی اسی جگہ سے چنتے ہیں۔

قربانی اور اس کے گوشت کی تقسیم کے ذکر میں برٹما لکھتا ہے۔ "بھیڑ بکریاں دن نکلے ذبح کی جاتی ہیں اور اسی وقت ان کا گوشت خدا کے نام پر غریبوں کو تقسیم کر دیا جاتا ہے، یعنے کوئی بیس ہزار حاجی بہت ہی خراب وخستہ حال دیکھے، جو قربانی کا گوشت لینے کے لئے یہاں موجود تھے، انھوں نے کھیتوں میں لمبی لمبی نالیاں کھود لی تھیں اور ان میں اونٹ کی مینگنیوں کی آگ سلگا رکھی تھی، گوشت جو ان کو ملتا تھا وہ اس آگ پر بھون کر وہیں چٹ کر جاتے تھے، مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ حج کے لئے نہیں آتے، بلکہ اسی کھانے پینے کے مارے گھر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں، یہاں لکڑی کھیرے بہت فروخت ہوتے ہیں، لوگ ان کے چھلکے اپنے گھروں کے باہر جس جگہ غریبوں کا جمگھٹ دیکھتے ہیں پھینک دیتے ہیں، یہ کنگلے خاک دھول میں سے ان چھلکوں کو سمیٹ کر کھا لیتے ہیں اور ایسے ندیدے ہوتے ہیں کہ ان چھلکوں پر لڑے مرتے ہیں"

ہم کہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ بہت سے فاقہ کش غریب کھانے پر جان دیتے ہوں گے مگر برٹما کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ محض کھانے کے لئے وہ یہاں آجاتے ہیں، غریب سے غریب اور فقیر سے فقیر مسلمان کے دل میں بھی ایک ایسی آگ ہوتی ہے، جو بیت اللہ و بیت الرسول کی زیارت سے ہی بجھ سکتی ہے اور اس کی حقیقت کا علم کسی عیسائی کو نہیں ہو سکتا۔

خطبۂ عرفات کی نسبت وہ لکھتا ہے اس کا خلاصہ یہ تھا کہ "رو رو کر ٹھنڈے سانس بھر بھر کے اور چھاتیاں کوٹ کوٹ کر اپنے گناہوں کی خدا سے معافی مانگو" جس وقت خطیب بہ آواز بلند یہ الفاظ کہتا ہے کہ "یا حضرت ابراہیم خلیل اللہ، یا حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ امت نبی کے حق میں خدا سے دعا کیجئے" تو چاروں طرف سے رونے پیٹنے کی آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں۔" غنیمت ہے اس خطبہ کی نسبت برٹما نے کوئی بدگوئی و بدزبانی سے کام نہ لیا۔

حجاز کے فرنگی سیاح

(از جناب مولوی سید علی شبیر صاحب شبیر مترجم حیدرآباد ہائیکورٹ)

بسلسلۂ گزشتہ

(۲)

جوزف پٹس ساکن اکزیٹر

دوسرا یورپین سیاح جس نے مسلمانوں کے متبرک شہروں کی سیر کی، وہ جوزف پٹس ساکن اکزیٹر[1] ہے یہ سب سے پہلا انگریز ہے جو ۱۶۹۳ء میں مکہ شریف گیا، پٹس ۱۶۷۸ء میں جب اس کی عمر پندرہ برس کی تھی، جہاز رانی سیکھنے اور مختلف شہروں کی سیر کرنے کی غرض سے اپنے والدین کے پاس سے بھاگ گیا تھا اور اپنے وطن کے قریب مقام توپ شام[2] میں ایک جہاز پر نوکر ہو گیا تھا، الجزائر[3] کے بحری قزاقوں نے اس جہاز کو لوٹ لیا، اور تمام جہاز رانوں کو قید کر کے غلامی میں بیچ دیا، پٹس کئی سال تک غلامی کی زندگی بسر کرنے کے بعد مغربی[4] قافلے کے ہمراہ اپنے مالک مسمی عمر کے ساتھ اسکندریہ و قاہرہ و سوئز کی راہ سے جدہ ہوتا ہوا، ماہ رمضان میں مکے پہنچا اور چار مہینے وہاں قیام کر کے اسی قافلے کے ساتھ الجزائر واپس چلا گیا بقول پٹس کے اس کا مالک جو ایک سالہ کا کپتان تھا بہت ہی ظالم، بدکار و قاتل تھا، گزشتہ گناہوں کے

---

[1] انگلستان کے صوبہ ڈیون شائر کا پایہ تخت ہے، دریائے اگز پر واقع ہے، کسی زمانہ میں اچھی تجارت گاہ تھی۔

[2] دریائے اگز سے چار میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے یہاں جہاز سازی کا کارخانہ ہے۔

[3] الجزائر افریقہ کے ملک الجیریا کا پایہ تخت ہے، یہ ملک کئی سو برس تک ترکوں کی سلطنت کا ایک جزو رہا ہے، اس کا رقبہ ۱۸۵۰۰۰ مربع میل ہے، ۱۸۳۰ء میں اس علاقہ کو فرانسیسیوں نے جیت لیا، الجزائر بحر روم کے کنارے واقع ہے اس کی مردم شماری تخمیناً دو لاکھ ہے، یہاں کا فرانسیسی پارلیمنٹ نہایت خوشنما عمارت ہے، جو ساٹھ لاکھ روپے کی لاگت سے تیار ہوئی ہے آبادی زیادہ عربوں اور یہودیوں کی ہے۔

[4] طرابلس و الجیریا کے رہنے والے مغربی کہلاتے ہیں۔

کفارہ کے لئے اس نے اس عیسائی غلام کو مسلمان کرنے کا ارادہ کیا اور آخر بڑی سختی سے اس نے اسے کلمہ پڑھوایا[1] اس کے بعد باقاعدہ طور پر اس کے ختنہ کرائے گئے، پٹس بظاہر مسلمان ہو گیا تھا، مگر اس نے اپنا عقیدہ وہی رکھا تھا، وہ چھپ چھپا کر کبھی کبھی انجیل پڑھا کرتا تھا اور تجدید و تحفظ مذہب عیسوی کے لئے سور کا گوشت کھا لیا کرتا تھا، مسلمانوں سے نفرت رکھتا تھا اور آنحضرت صلعم کی شان میں بے ادبی کیا کرتا تھا، پٹس کو اسے ایک ہم وطن شخص کی طرف سے بڑا رنج تھا وہ اپنے وطن کو جا کر دوبارہ الجزائر واپس آ گیا تھا، اور بغیر جبر و اکراہ کے نہایت خوشی کے ساتھ مسلمان ہو گیا تھا۔

پٹس کے مالک نے جس کو وہ اپنا دوسرا باپ لکھتا ہے، کے حج کر اس کو غلامی سے آزاد کر دیا تھا، اور کچھ تنخواہ مقرر کر کے اپنے پاس ملازم رکھ لیا تھا، پٹس اگرچہ اپنے مالک کے پاس رہا کرتا تھا، مگر بھاگنے کی فکر سے غافل نہ تھا، ان ہی دنوں میں سلطان ٹرکی نے الجزائر سے کچھ جہاز طلب کئے تھے، مسٹر بیکر الجزائر کے انگریزی کونسل نے پٹس کو خفیہ طور پر کسی جہاز میں بٹھا دیا، اور ایک خط مسٹر شے سمرنا[2] کے انگریزی کونسل کے نام اس مضمون کا لکھ کر اس کو دے دیا کہ :-

"جوزف پٹس انگلستان کا باشندہ ہے، پہلے مسلمان ہو گیا تھا، اب پھر عیسائی ہو گیا ہے اور اپنے وطن جانا چاہتا ہے مہربانی کر کے نہایت ہوشیاری سے اس کو انگلستان چلتا کر دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ بھانڈا پھوٹ جائے ورنہ میری شامت آ جائے گی یہ میرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر میری لاش جلا دیں گے"[3]

---

[1] اس طرح کسی کو مسلمان کرنا مذہب اسلام کے احکام کے قطعی خلاف ہے، جیسا کہ ارشاد ہو چکا ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنی دین میں زبردستی نہیں کرنی چاہئے

[2] سمرنا سلطنت ترکی کا ایشائے کوچک میں ایک مشہور بندرگاہ اور شہر ہے، یہ بحر اسود کے مغربی ساحل کی جانب ایک خوشنما خلیج کے سرے پر آباد ہے، اور ایشائے کوچک کے تمام شہروں میں بلحاظ خوشنمائی و اہمیت و آبادی وغیرہ اول نمبر ہے، ۱۹۲۲ء کی گزشتہ جنگ ٹرکی و یونان نے اس کو تمام دنیا میں مشہور کر دیا ہے، اور اس کے نام سے تعارف کرانے کی کچھ زیادہ حاجت نہیں ہے، قبل جنگ سمرنا بڑی تجارت گاہ تھا، ۱۹۱۴ء کی یورپ کی جنگ عظیم کے بعد جو چھ سال تک ہوتی رہی، یورپ کی دول عظمی نے سمرنا یونان کو دے دیا تھا، آخر غازی مصطفی کمال پاشا نے بڑی خونریز جنگ کے بعد یونانیوں سے ۱۹۲۲ء میں واپس لیا، ترکوں کی تسخیر سمرنا سے قبل یونانیوں نے اس کو بالکل تباہ و برباد کر دیا تھا، اب نئے سرے سے اس کی تعمیر ہو رہی ہے، قبل جنگ مذکور یہاں کی آبادی کوئی ڈھائی تین لاکھ تھی۔

[3] انگریزی کونسل کے اس بیان سے ترکوں کی اس قوت اثر کا اندازہ ہو سکتا ہے جو ستر ہویں صدی میں ان کو حاصل تھی، آج کیا حالت ہے۔ انا للہ!

اس مہم کی بدولت پٹس کو مختلف مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، اس کی آٹھ مہینے کی چڑھی ہوئی تنخواہ سوخت ہو گئی دوسری رقمیں جو اس کو واجب الوصول تھیں، وہ الگ بھنگ کے بھاڑے میں گئیں اور ڈر کے مارے دست آنے لگے وہ علیحدہ۔ اس کو خوف تھا کہ اگر کسی کو اس کا حال معلوم ہو گیا تو پکڑ کر الجزائر بھیج دیا جائے گا اور وہاں گاڑی کے پیچھے الٹا لٹکا کر سارے شہر میں گھسیٹتے پھریں گے اور پھر قتل کر کے یہودیوں کے قبرستان میں گاڑ دیں گے، آخر کار اس نے دل میں ٹھان لی کہ کچھ ہی کیوں نہ ہو گھر ہی چلنا چاہئے چنانچہ بعد قطع مسافت وہ سمرنا پہنچا، یہاں کارنوال[1] کے ایک انگریزی سوداگر سے جو الجزائر میں رہ چکا تھا، اس کی ملاقات ہوئی، وہ اس کے ساتھ بڑی ہمدردی سے پیش آیا، اور پانچ پونڈ کرایہ دیکر اس کو ایک فرانسیسی جہاز میں جو لیگ ہارن[2] جانے والا تھا بٹھا دیا، جہاز روانہ ہونے سے قبل پٹس نے ڈاڑھی کو استرے کی نذر کیا، اور کوٹ پتلون پہن، بید ہاتھ میں لے سیٹی بجاتا ہوا جہاز پر سوار ہو گیا لیگ ہارن پہنچ کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ عرصۂ دراز کے بعد غلامی کی تلخ زندگی سے نجات پا کر اسے پھر مسیحی سرزمین دیکھنی نصیب ہوئی، یہاں سے وہ اٹلی، ہالینڈ و جرمنی ہوتا ہوا انگلستان پہنچا۔

اس زمانہ میں شاہ انگلستان ولیم سوم اور شاہ فرانس کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی، پٹس جس دن انگلستان کی سرحد میں داخل ہوا، اسی روز شاہی فوج میں شریک کرنے کے لئے اس کو پکڑ لیا گیا، اور اس طرح الجزائر چھوڑنے کے بعد اس مہذب مسیحی سرزمین وطن نے ہی اس کو ایذا پہنچائی، بہتیری اس نے عاجزی و خوشامد کی مگر کسی نے ایک نہ سنی اور دھکے دیتے ہوئے اسے کولچسٹر[3] کے قلعے میں لے گئے، اور ایک جہاز میں سوار کرا کے اسے میدان جنگ میں بھیج دیا، وہاں خوش نصیبی سے کسی شخص کی سفارش پر وہ رہا کر دیا گیا، یہاں سے چھوٹتے ہی وہ سر پر پاؤں رکھ کر سیدھا اگزیٹر بھاگ گیا، اسے اپنے فرقت زدہ والدین سے

---

[1] انگلستان کے جنوب و مغرب میں کارنوال ایک علاقہ ہے، یہاں کی تانبے اور ٹین کی کانیں بہت مشہور ہیں، کارنوال کے قریب کئی بندرگاہیں جہاں سے معدنیات کی برآمد ہوتی ہے

[2] لیگ ہارن اٹلی کا ایک بندرگاہ ہے۔

[3] کولچسٹر انگلستان کا ایک شہر ہے، کسی زمانہ میں اس کی یہ بڑی تجارت گاہ تھی، اب یہ مقام موتی کی سیپیوں کی پرورش اور ان کے شکار کے لئے مشہور ہے۔

ملنے کا بڑا اشتیاق تھا، مگر مکان پر پہنچ کر اس نے صرف اپنے باپ کو پایا، اس کی ماں ایک برس قبل مر چکی تھی، اس رنج کے مارے اس کی کمر ٹوٹ گئی، چونکہ پٹس پندرہ برس تک الجزائر میں رہ چکا تھا، اس وجہ سے اس کو عربی و ترکی زبانوں میں اچھی مہارت ہو گئی تھی اور اس نے اس کی لاعلمی وغیر تعلیم یافتہ ہونے کے عیب کو چھپا دیا تھا، وہ بہ نسبت برتھما کے مسلمانوں کے عقائد و مذہب سے زیادہ واقف تھا، اور جو کچھ اس نے بیان کیا ہے وہ زیادہ صراحت سے بیان کیا ہے مگر اکثر باتیں غلط بھی لکھ دی ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنا سفرنامہ حالت سفر میں نہیں لکھا تھا، بلکہ مکے سے واپس آ کر بہت مدت بعد مرتب کیا تھا، مکے کے رمضان کا منظر اس نے خوب دکھایا ہے، اور بھی بعض واقعات تفصیل سے لکھے ہیں لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں کے عقائد وغیرہ پر جو اس نے ناقہمی سے حملے کئے ہیں وہ اس کے تعصب کے شاہد ہیں اور اس سے اس کی تحریر بے وقعت ہو گئی ہے۔

پٹس کا سفرنامہ ۱۷۰۴ء سے ۱۸۱۰ء تک پانچ مرتبہ شائع ہوا۔ چونکہ یہ سب سے پہلا انگریز تھا، جس نے حجاز کا سفر کیا، اس لئے اس کے حالات انگلستان میں نہایت شوق و دلچسپی سے پڑھے گئے۔ پٹس آخر عمر میں انگلستان کے ایک بڑے گرجے کا پادری مقرر ہو گیا اور اس طرح ..... پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

اس کے وعظوں کا مجموعہ اب تک لندن کے عجائب خانہ میں موجود ہے، تعجب کی بات یہ ہے کہ مشہور مورخ مسٹر گبن[1] نے اپنی تاریخ عروج و زوال سلطنت روم میں اس کے سفرنامے کا کچھ ذکر نہیں کیا، واللہ اعلم اس کی نظر سے نہیں گزرا، یا بسبب اظہار تعصب اسے بے وقعت سمجھا۔

اب ہم پٹس کے سفرنامۂ حجاز سے بعض واقعات کا ذکر کر کے حسب ضرورت ان پر اظہار رائے

---

[1] ایڈورڈ گبن سب سے بڑا انگریزی مورخ ہے۔ یہ ۱۷۳۷ء میں پیدا ہوا تھا، اس کی تاریخ عروج و زوال سلطنت روم جو سات سال کی محنت شاقہ کے بعد اس نے تیار کی ۱۷۷۶ء میں شائع ہوئی تھی، اصول مورخی کے اعتبار سے یہ اعلیٰ درجے کی تصنیف مانی گئی ہے۔ اس کتاب کے باب (۱۵)، اور (۱۶) میں مذہب عیسوی پر سخت حملے کئے ہیں اور اسلام و بانی اسلام اور مسلمانوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ گبن کی وفات ۱۷۹۴ء میں بمقام لندن ہوئی۔

کرتے ہیں۔ طواف کعبہ[1] و سعی[2] کے ذکر میں پٹس حاجیوں کے جوش و خروش کے متعلق لکھتا ہے :۔

"جوں ہی کہ حاجیوں کی نظر پہلے پہل بیت اللہ پر پڑتی ہے، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، میں بہ خیال اعتراض نہیں، بلکہ تعریف کے ساتھ اقرار کرتا ہوں کہ یہ بیچارے اس قدر غیر معمولی عقیدت و خشوع و خضوع سے اوہام پرستی کی رسوم بجا لا رہے تھے اور خانۂ کعبہ کے جلال و جبروت سے مرعوب ہو کر ایسے تھرا رہے تھے، کہ ان کا جوش و خروش دیکھ کر اگرچہ وہ بت پرستانہ و جاہلانہ تھا، مجھے بھی ضبط نہ ہو سکا، اور میری آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے۔"

پٹس کا حاجیوں کے جوش و خروش کو بت پرستانہ و جاہلانہ کہنا محض تعصب پر مبنی ہے، جس کو خدا نے ذرا سی بھی عقل دی ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ حاجیوں کی گریہ و زاری اپنے گناہوں پر اور ان کا لرزنا کانپنا خدا کے خوف سے ہوتا ہے نہ کہ اینٹ پتھر کی عمارت کے رعب سے، مسلمان مکین کے پوجنے والے ہیں، مکان (کعبے) کی پرستش نہیں کرتے۔

بیت اللہ کے متعلق پٹس لکھتا ہے :۔

"بیت اللہ مسلمانوں کی خاص عبادت کی چیز ہے، یہی وہ بت ہے، جس کی مسلمان تعظیم کرتے ہیں مسلمان پورب پچھم، اتر، دکھن خواہ کہیں ہوں سب اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ بیت اللہ میں ہوتے ہیں، تو جس طرف جی چاہے، وہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں۔"

---

[1] حاجی کعبے کے گرد سات مرتبہ پھرتے ہیں، حجر اسود کے پاس سے طواف شروع کیا جاتا ہے اور وہیں ختم کیا جاتا ہے، ہر شوط یا چکر کے وقت ایک خاص دعا مانگی جاتی ہے، اس طرح ساتوں اشواط میں سات دعائیں پڑھتے ہیں جو طلب مغفرت و خوبی دین و دنیا پر مشتمل ہیں۔

[2] بیت اللہ کے قریب صفا و مروہ دو پہاڑیاں ہیں ان کے درمیان تیز قدمی سے چلنے کو سعی کہتے ہیں، یہ حضرت ہاجرہ والدۂ اسمٰعیل کی اس حالت اضطراب کی یادگار ہے، جب ان کا کمسن بچہ پیاس کے مارے یہاں زمین پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور بے قرار ماں سراسیمہ و پریشان پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑ رہی تھی کہ یکایک اللہ تعالٰے نے چاہ زمزم ظاہر کیا، جس کے پانی سے حضرت اسمٰعیل کی جان بچی، حاجی صفا سے شروع کر کے مروہ تک جو پچاس قدم کا فاصلہ ہے سات مرتبہ سعی کرتے ہیں صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا ایک سعی ہوتی ہے

پٹس کے اس فقرے کا جواب ہم ایک محقق انگریز سیاح حجاز کیپٹن برٹن کے الفاظ میں دیتے ہیں، وہ پٹس کے مذکورۂ بالا اعتراض پر حاشیہ میں لکھتا ہے :-

"اس سے بڑھ کر اندھے پنے کا متعصبانہ کوئی بیان نہیں ہو سکتا، مسلمان مکے کی طرف ویسے ہی نماز پڑھتے ہیں جیسے کہ عیسائی بیت المقدس کی طرف"

طواف کعبہ کے ذکر میں پٹس لکھتا ہے :-

"عورتیں اور مرد دونوں طواف میں مصروف نظر آتے ہیں، لیکن عورتیں مردوں سے باہر طواف کرتی ہیں[1]. اور مرد بیت اللہ کے قریب رہتے ہیں، اتنے بڑے مجمع میں یہ ناممکن ہے کہ ہر شخص حجر اسود[2] کو چوم سکے، اس لئے صرف اس کی جانب اپنا ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کے منہ پر پھیر لینا کافی سمجھا جاتا ہے، جب تھوڑے آدمی طواف کرتے ہیں تو عورتوں کو بھی حجر اسود کے چومنے کا موقع مل جاتا ہے، مرد جب دیکھتے ہیں کہ عورتیں حجر کے پاس ہیں تو وہ اس کے قریب نہیں جاتے اور ان کو جی بھر کے دیکھ لیتے اور چوم لینے دیتے ہیں، ایسے موقع پر عورتوں کے نزدیک جانا نہایت ہی مکروہ اور خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے"۔

اگرچہ پٹس نے الفاظ تعریف میں بہت ہی بخل سے کام لیا ہے اور صرف مکروہ و خلاف تہذیب کہہ کر فقرہ ختم کر دیا ہے، مگر غنیمت ہے کہ بجائے کسی اعتراض کے اسلامی اخلاق کی تعریف کر دی، از روئے انصاف اس کو چاہئے تھا کہ کسی ایسی یورپین سوسائٹی سے جہاں عورت مرد بکثرت موجود ہوتے ہوں اس مجمع کے اخلاق کا مقابلہ کرتا۔

مکۂ معظمہ کے ذکر میں وہ لکھتا ہے :-

"یہاں چند قسم کے میوے اور ترکاریاں بکتی ہیں، یعنی انگور، خربوزے، تربوز، ککڑیاں،

---

[1] کعبہ کے گرد چاروں طرف بطور حلقہ کے سنگ مرمر کا فرش ہے، جس کو مطاف یعنے طواف کرنے کی جگہ کہتے ہیں، اس میں مردوں کے لئے علیٰحدہ اور عورتوں کے لئے علیٰحدہ جگہ مقرر ہے اور دونوں جدا جدا طواف کرتے ہیں۔

[2] حجر اسود ایک سرخی مائل سیاہ پتھر بیضوی شکل کا دروازۂ کعبہ کے قریب دیوار میں چاندی کے حلقے میں نصب ہے، یہ کوئی ۸ انچ لمبا اور ۷ انچ چوڑا ہے، اسی جگہ سے بیت اللہ کا طواف شروع کر کے یہیں ختم کرتے ہیں۔

کدو وغیرہ یہ چیزیں شاید حبش سے لائی جاتی ہیں، جو مکے سے دو تین دن کے فاصلہ پر ایک زرخیز مقام ہے۔"

حبش[1] نہ مکے سے دو تین دن کے فاصلہ پر ہے اور نہ وہاں سے یہ چیزیں لائی جاتی ہیں بلکہ طائف[2] سے آتی ہیں۔

مکۂ معظمہ کی گرمی کی نسبت وہ لکھتا ہے:۔

"میں رات کو چادر پانی میں بھگو کر اوڑھ کے سو جاتا ہوں، جب آنکھ کھلتی ہے تو اسے سوکھا پاتا ہوں، پھر بھگو لیتا ہوں، رات بھر میں دو تین مرتبہ ایسا کرنا پڑتا ہے"

کعبہ کی بلندی پٹس نے (۴۴) فٹ لکھی ہے یہ غلط ہے، اس کی اونچائی تخمیناً (۱۶) گز ہے خانۂ کعبہ کے ذکر میں پٹس لکھتا ہے:۔

"کعبہ ڈیڑھ مہینے میں دو روز کھولا جاتا ہے، ایک دن مردوں کے لئے اور ایک روز عورتوں کے واسطے"

علی بے برک ہارٹ اور برٹن کے زمانہ میں جن کی سیاحت حجاز کا ذکر ہم نے علیحدہ علیحدہ کیا ہے خانۂ کعبہ کا دروازہ سال میں تین دن کھولا جاتا تھا، حاجی ڈاکٹر نور حسین صاحب جنھوں نے ۱۳۲۱ھ میں حج کیا ہے، اپنی کتاب رفیق الحجاج میں لکھتے ہیں کہ یہ دروازہ ایام حج میں روزانہ کھول دیتے ہیں اور فی کس دو روپیہ چار آنہ وصول کرتے ہیں، مردوں اور عورتوں کے لئے جداگانہ دن مقرر ہیں ایک تجربہ کار حاجی کا بیان ہے کہ جب کوئی شخص کلید بردار کی مٹھی گرم کر دیتا ہے تو ہر وقت داخلی ہو جاتی ہے۔ پٹس لکھتا ہے:۔

داخلی کعبہ کے وقت حجاج اس قدر رجوع الی اللہ ہو جاتے ہیں کہ بجز نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کے

---

[1] ملک حبش افریقہ میں واقع ہے اور مکۂ معظمہ سے تقریباً ڈیڑھ مہینے کے راستہ پر ہے۔

[2] طائف مکۂ معظمہ سے کوئی بیس کوس ہے۔ حجاز میں اس سے بڑھ کر شاداب و زرخیز کوئی مقام نہیں ہے، یہ نہایت سرسبز و سرد خطہ ہے، میوہ جات کے درخت بکثرت ہیں، مکے کے اکثر آسودہ آدمی گرمیوں کے دنوں میں وہاں چلے جاتے ہیں اور موسم گرما طائف کے باغوں میں بسر کرکے واپس آتے ہیں۔ یہاں کے انار و انگور بہت اچھے ہوتے ہیں اور طائف کا چمڑا اور نعلین قدیم سے مشہور ہیں حضرت جامیؒ فرماتے ہیں:۔

ادیم طائفی نعلین پا کن
شراک از رشتۂ جانہائے ما کن

کعبے کے اندر ادھر ادھر دیکھنا گناہ سمجھتے ہیں۔"

جبل عرفات[1] کے ذکر میں وہ لکھتا ہے:-

"ہزار ہا آدمیوں کا عاجزی و انکساری کا لباس پہنے، ننگے سر چار پانچ گھنٹے تک ٹھنڈی سانس بھر بھر کے آنسوؤں سے منہ دھونا، ہچکیاں لے لے کر روتے ہوئے درگاہ خدا میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنا اور سچے دل سے توبہ و استغفار کرنا، فی الحقیقت دل پر ایک گہرا اثر کرنے والا منظر تھا، جب ان بچارے اندھے (جاہل) مسلمانوں کے اس جوش کا مقابلہ بعض عیسائیوں کی غفلت سے کیا جاتا ہے تو نہایت ہی افسوس ہوتا ہے، ڈر ہے کہ قیامت کے روز یہ مسلمان کہیں عیسائیوں کو ان کی غفلت پر طعنہ نہ دیں۔"

افسوس ہے کہ تعصب آدمی کو اس قدر اندھا کر دیتا ہے کہ سوجھتا آدمی بھی اس کو اندھا نظر ہے، کیا مزے کی بات ہے کہ خدا سے ڈرنے والے اور اپنے گناہوں پر رونے والے مسلمان بھی پیش کو غافل عیسائیوں کے مقابلہ میں اندھے دکھائی دے رہے ہیں۔

ہیں دیدۂ و دانستہ مری آنکھیں بند لوگو مرے دیدے کی صفائی دیکھو

ہم نے ایک پادری صاحب کو یہ کہتے سنا ہے کہ عیسائیوں کو اپنے گناہوں سے توبہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، خدا کے اکلوتے فرزند کی قربانی سے ان کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ باپ بیٹے اور روح القدس پر صرف ایمان لے آنا کافی ہے، روئے ان کی بلا اور اگرچہ توریت کی تعلیم توحید کے خلاف یہ عقیدہ ہے[2] مگر یہی سیدھا رستہ ہے، جو اس سے بھٹکے اسے اندھا سمجھو۔ (باقی آئندہ)

---

[1] عرفات کی تشریح پیشتر بھی کی جا چکی ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جنت سے نکلنے کے بعد آدم و حوا نے یہاں ایک دوسرے کو پہچانا تھا، یہاں نویں ذی الحجہ کو تمام حاجی خطبہ سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں جو چار بجے سے شروع ہو کر مغرب ختم ہوتا ہے زوال کے بعد سے مغرب تک عرفات میں قیام کرنا حج کا بہت ضروری رکن ہے۔ اس قیام کے بعد ہر شخص حاجی کے لقب سے پکارا جانے لگتا ہے۔

[2] انجیل شریف میں حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں "یہ مت سمجھو کہ میں توریت کو منسوخ کرنے آیا ہوں، نہیں، زمین آسمان ٹل جائیں گے مگر توریت کا ایک شوشہ نہ ٹلے گا۔" توریت مقدس توحید کی تعلیم سے بھری پڑی ہے مگر یار لوگوں نے توحید اڑا کر تثلیث قائم کر دی۔ زدیم بر سر رندان و ہر چہ بادا باد!!

حجاز کے فرنگی سیّاح

(از مولوی سید علی شبیر صاحب شبیر مترجم حیدرآباد ہائی کورٹ)

گزشتہ سے پیوستہ

ایک اور مقام پر پٹس حاجیوں کی عقیدت کے ذکر میں لکھتا ہے :-

"تین دن کے قیام منیٰ[1] میں تقریباً تمام حاجی یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ کم از کم دن بھر میں ایک مرتبہ مکے جا کر بیت اللہ کی زیارت کر آئیں وہ انتہائے تمنا و اشتیاق میں ہر روز منیٰ سے مکے آتے ہیں، وفور شوق میں رستے بھر وہ بھاگتے ہوئے چلتے ہیں، اور جس وقت بیت اللہ پر ان کی نظر پڑتی ہے تو بے اختیار خوشی کے مارے زار زار رونے لگتے ہیں۔"

طواف الوداع[2] کے متعلق پٹس لکھتا ہے :-

"مکہ چھوڑنے سے قبل تمام کو حاجی بیت اللہ سے رخصت ہونے کے لئے جاتے ہیں اور باب السلام سے داخل ہو کر اس قدر طواف کرتے ہیں کہ تھک جاتے ہیں، اس آخری زیارت میں وہ بہت ہی پھوٹ پھوٹ کر روتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبے سے جدا ہونا ان کو نہایت ہی شاق گزر رہا ہے، پھر وہ زمزم کا پانی پیتے ہیں اور پچھلے پاؤں کچھ دور باب الوداع کی طرف چل کر دو رکعت نماز پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ہاتھ اٹھا کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ وہ دعا مانگتے ہیں، رخصت کے وقت کعبے کی طرف پیٹھ کرنا

---

[1] منیٰ مکے سے ڈھائی کوس ہے، ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ کو یہاں حاجیوں کا پڑاؤ رہتا ہے، اسی مقام پر قربانی کی جاتی ہے۔

[2] جب حج کے کل مناسک ختم ہو جاتے ہیں تو وطن کو واپس ہونے سے قبل طواف رخصت کیا جاتا ہے اس کو طواف الوداع کہتے ہیں، اس وقت جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ بہت بڑی ہے اس کے الفاظ نہایت موثر اور رقت خیز ہوتے ہیں۔

چونکہ بے ادبی سمجھا جاتا ہے، اس لئے وہ الٹے پاؤں کسی آدمی کے سہارے چلتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ باب الوداع پر پہنچ جاتے ہیں واپسی میں وہ راستے بھر ہاتھ اٹھائے دعائیں مانگتے، کعبے کی طرف حسرت و یاس سے نظر کرتے ہوئے، آٹھ آٹھ آنسو روتے اپنے قیام گاہوں کو لوٹتے ہیں۔"

ایک غیر مسلم کی زبان سے مسلمانوں کے اس جوش و خروش کا اعادہ دل میں ایک خاص لطف پیدا کرتا ہے، خدا کا شکر ہے!

ہنوز آں ابر رحمت در فشاں است خم و خمخانہ بامہر و نشان است

حنفی مصلےٰ کے ذکر میں وہ لکھتا ہے:-

"یہاں کوئی پچیس تیس آدمی آلتی پالتی مارے بیٹھے تسبیح پڑھا کرتے ہیں، ان کے پاس دو تسبیحیں ایسے بڑے بڑے دانوں کی ہیں، جیسی کہ آدمی کی مٹھی، یہ لوگ نماز کے درمیان خالی وقت میں ان تسبیحوں پر کچھ پڑھا کرتے ہیں، ایک مرتبہ میں نے بھی ان کی یہ تسبیح لے کر منکے ڈھلکانے شروع کئے، مجھے تو وہ بچوں کا کھیل معلوم ہوا، مگر دیکھنے والوں کی نظر میں اس وقت میں بڑا متقی و پرہیزگار معلوم ہو رہا تھا۔"

افسوس ہے کہ جو لوگ مذہبی کاموں کو کھیل بنا لیتے ہیں، ان پر غیر مذہب والے ایسے ہی قہقہے لگاتے ہیں، یہ مکہ معظمہ کے حالات میں بٹس ایک نہایت ہی شرمناک اشارہ کرتا ہے:-

"یہ شہر اگرچہ بہت ہی مقدس سمجھا جاتا ہے، تاہم بدکاری و بداعمالی کی بھی یہاں کمی نہیں ہے، فحش کے اعتبار سے وہ قاہرہ کا مقابلہ کرتا ہے اور چوری تو بیت اللہ میں بھی کرنے سے نہیں چوکتے۔"

---

[1] بیت اللہ میں چار مصلے ہیں، حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی، کعبے کی شمال کی جانب حنفی مصلےٰ لکڑی اور پتھر کا ہوادار کھلا ہوا دو منزلہ مکان ہے نیچے کی منزل میں امام حنفی جماعت کے ساتھ نماز پڑھاتا ہے اوپر کی منزل میں موذن و مبلغ رہتے ہیں، سوائے وقت فجر کے باقی سب اوقات میں حنفی نماز اول ہوتی ہے، مغرب کے وقت سب مل جل کر نماز پڑھ لیتے ہیں، صبح کی نماز اول شافعی طریق کی ہوتی ہے پھر دوسرے ائمہ کے طریق سے۔

ہماری نظر سے مسلمان حاجیوں کے بہت سے سفرنامے گزر چکے ہیں، مگر کسی نے مکہ معظمہ میں بدکاروں اور بداعمالوں کے وجود کا ذکر نہیں کیا، البتہ چوری کی وارداتوں کے اکثر شاکی ہیں، ممکن ہے کہ پاک نظر و پاک باز مسلمان حاجیوں کو بداعمالی کے ناگوار مشاہدات پیش نہ آئے ہوں اور مذکورہ بالا اعتراض کو ہم پٹس کی بدنظری و بدبینی پر محمول کر دیں، لیکن نہایت رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر حاجیوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مکہ معظمہ میں بہت سے خلاف شرع امور ایسے پائے جاتے ہیں، جن کے انسداد کے لئے وہاں سخت احتساب کی ضرورت ہے۔

پٹس مکہ معظمہ سے مدینۂ منورہ تک کے حالات سفر میں لکھتا ہے:۔

"ہمارے قافلے میں آئرلینڈ کا رہنے والا ایک نومسلم بھی تھا۔ وہ اس قدر کم سنی میں پکڑا گیا تھا، کہ وہ صرف مذہب عیسوی ہی نہیں بھول گیا تھا، بلکہ اس کو اپنی مادری زبان بھی یاد نہ رہی تھی، لطف یہ ہے کہ اس نے تیس برس اسپین و فرانس میں غلامی کی حالت میں گزارے تھے، مگر آخر میں چھوٹ کر وہ الجزائر پہنچا تھا ترک اس کو بڑا جوشیلا اور پکا مسلمان سمجھتے تھے کہ باوجود عیسائیوں کی ترغیب و تحریص کے وہ مذہب اسلام سے منحرف نہیں ہوا تھا، میرے بعض پڑوسیوں نے جو اس سال الجزائر سے حج کے لئے آئے تھے، اس نومسلم سے کہا کہ اگر تم ہمارا کام کرتے چلو تو ہم اس سفر کے تمہارے کل اخراجات کے کفیل ہو جائیں گے، اس نے بخوشی قبول کر لیا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس وقت وہ مکے پہنچا ہے تو اس نے بڑی خوشی کے ساتھ کہا کہ "اللہ تعالےٰ نے مجھے دنیا کی دوزخ یعنی فرانس و اسپین کی غلامی سے نجات بخشی اور جیتے جی بہشت یعنے مکے میں پہنچا دیا"۔ میں نے اس کی خوش اعتقادی کی تعریف کی، مگر اس کی حالت پر مجھے ترس آیا۔"

خدا کی قدرت ہے کہ وہ تیس برس تک عیسائیوں میں رہنے کے بعد مسلمان کا مسلمان واپس آیا اور پٹس پندرہ سال تک مسلمانوں میں رہنے کے بعد پھر عیسائی ہو گیا۔

مدینہ منورہ کے زائرین کے ذکر میں ہرٹس کہتا ہے، کہ مشرقی مجمع الجزائر ہند کے رہنے والے مدینے کی زیارت کو نہیں آتے، مدینہ ان کی راہ سے بہت دور پڑتا ہے، وہ صرف حج کر کے واپس چلے جاتے ہیں ہرٹس کا یہ خیال درست نہیں ہے، عموماً تمام دنیا کے حاجی مدینہ منورہ کی حاضری فرض سمجھتے ہیں، البتہ وہابی اس کے پابند نہیں ہیں۔

روضۂ منورہ کی روشنی کے متعلق وہ لکھتا ہے :۔

"لوگ بیان کرتے ہیں کہ تین ہزار سے کم قندیلیں نہ ہوں گی مگر یہ غلط ہے، مجھے پوری طرح یقین ہے، کہ وہاں کوئی سو قندیلیں بھی نہ ہوں گی۔"

واللہ اعلم اس زمانہ میں زاید چراغ تھے یا نہ تھے، مگر اکثر قدیم سیاحوں نے قندیلوں اور چراغوں کی کثرت بیان کی ہے اور آج کل تو علاوہ برقی روشنی اور بیش بہا عجیب و غریب بلورین و زرین جھاڑوں فانوسوں کے کوئی آٹھ نو سو قندیلیں روضۂ منورہ و مسجد نبوی میں روشن ہوتی ہیں۔

برٹما کی طرح اس نے بھی آنحضرتؐ کے مرقد مطہر کے معلق ہونے کی روایت کی تردید کی ہے وہ کہتا ہے :۔

"بعض لوگ یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ محمد (صلعم) کی قبر کسی سنگ مقناطیسی کی کشش کے سبب سے مسجد کی چھت میں معلق ہے، لیکن یقین مانو میں اس کو جھوٹ سمجھتا ہوں، جب میں نے پیتل کی جالی میں سے جھانکا تو معلوم ہوا کہ پردے جو مقبرے پر پڑے ہوئے ہیں، وہ چھت کی آدھی بلندی تک بھی نہیں پہنچتے، اس وجہ سے ناممکن ہے کہ آنحضرت کا مقبرہ معلق ہو سکے، میں نے مسلمانوں کو بھی اس کا ذکر کرتے نہیں سنا۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اہل یورپ نے بطور اصول موضوعہ اس کہانی کو اسلامی روایت سمجھ رکھا تھا، ورنہ مسلمانوں کا تو یہ خیال کبھی رہا نہیں۔

مدینہ منورہ سے واپسی مصر کے ذکر میں وہ لکھتا ہے :۔

"جب ہم قاہرہ سے پندرہ دن کے فاصلہ پر پہنچے تو بہت سے لوگ ہم کو ملے جو میوے
اور مٹھائیاں اونٹوں پر لادکر اپنے رشتہ دار حاجیوں اور دوستوں کو دینے
کے لئے لائے تھے، جب قاہرہ سات روز کی راہ رہ گیا تو ہم کو سینکڑوں آدمی ملے
جو اپنے دوستوں کی پیشوائی کے لئے آئے تھے، لیکن رات کا وقت تھا اور اندھیر
چھایا ہوا تھا، اس لئے وہ اپنے اپنے آدمیوں کا نام لے لے کر پکارتے پھرتے تھے،
جب قاہرہ تین منزل رہ گیا تو مصری لوگ دریائے نیل کا میٹھا پانی ہمارے پینے
کے واسطے لائے[1]، اور جب قاہرہ ایک دن رات کا راستہ رہ گیا، تو ہزارہا آدمی
ہمارے استقبال کے لئے آئے"

اللہ اللہ!! اگلے زمانہ کے لوگ کس محبت وخلوص سے حاجیوں کا استقبال کیا کرتے تھے کہ پندرہ
پندرہ دن کے دشوار گزار رستے طے کرکے ان کو تحفے پہنچاتے تھے، آج یہ عالم ہے کہ باوجود ہر قسم کی سہولت
اور سفر کی آسانی کے خاص لوگ ہی اپنے رشتہ دار حاجیوں کی حیدرآباد سے بمبئی تک پیشوائی کرتے ہیں،
ہے یہ کہ:۔

اب زباں پر بھی نہیں آتا کہیں الفت کا نام
اگلے مکتوبوں میں کچھ رسم کتابت ہو تو ہو

علی بے عرف بڈیا لا نبلچ ڈومنگو

(۳)

تیسرا فرنگی سیاح حجاز جس نے اپنے مشاہدات سے اہل یورپ کو مستفید کیا وہ (اسپین کا باشندہ)
علی بے تھا، اس کا اصلی نام بڈیا لا نبلچ ڈومنگو تھا، اور وطن اسپین تھا جہاں ۱۳ اپریل ۱۷۶۶ء میں بمقام بارسلونا[2]

---

[1] سابق میں جب خشکی کی راہ سے مصری قافلہ حج کے لئے آتا جاتا تھا، تو مکے سے قاہرہ تک پہنچنے میں سینتیس[37] دن لگتے تھے، یہ راستہ نہایت بے شجر پہاڑوں اور ریگستان میں سے ہو کر گزرتا تھا، راستے بھر کہیں اچھا پانی نصیب نہیں ہوتا تھا، اس لئے اہل مصر اپنے دوستوں کے لئے جو کھارے اور کڑوے پانی پیتے چلے آتے تھے، نیل کا میٹھا پانی لیجاتے تھے۔

[2] بارسلونا ملک اسپین کا بہت بڑا شہر اور نہایت خوشنما بندرگاہ ہے، یہ بحر روم کے کنارے واقع ہے اور بڑی تجارت گاہ ہے مختلف ممالک کو یہاں سے انواع و اقسام کا سامان تجارت جاتا ہے، اس کی آبادی تخمیناً چار لاکھ ہے۔

پیدا ہوا، اور شہر ویلنشیا میں اس نے عربی، ریاضی اور علم طبعیات کی تعلیم پائی، علی بے علوم متذکرہ میں اگرچہ پوری قابلیت حاصل نہ کر سکا تھا تاہم اس سے واقف ضرور تھا، زمانۂ طالب علمی میں اس کو عربی سے ایک خاص دلچسپی تھی تحصیل علم کے بعد سرکاری ملازم ہو گیا، مگر ۱۸۰۹ء میں اپنی خدمت سے مستعفی ہو کر افریقیہ کے سفر کے ارادے سے میڈرڈ[1] گیا، شاہ اسپین نے اس کے ارادہ کو پسند کر کے امداد کا وعدہ کیا، جون ۱۸۰۳ء میں علی بے اسپین سے مصر روانہ ہوا، یہاں پہنچ کر اس خیال سے کہ اس کے سفر میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو، اس نے اپنا نام علی بے عباسی اختیار کیا اور شاہزادوں کا سا لباس پہن کر، اپنے تئیں خاندان عباسیہ کا شہزادہ ظاہر کیا، علی بے شکل و شباہت میں مسلمانوں سے بہت ملتا تھا، اس کا میانہ قد لمبا پتلا سر، سیاہ پتلی، لمبی ناک اور سیاہ ڈاڑھی، اس کے اسلام ظاہری کی کھلی ہوئی علامتیں تھیں، اس نے مسلمانوں کے عادات و اطوار و طرز معاشرت سے واقفیت حاصل کر لی تھی، اور اپنی تدابیر کو مکمل کرنے کے لئے اس نے ختنہ بھی کرا لیا تھا، اس نے مسلمانوں کے مختلف شہروں کی سیر کی اور ہر جگہ اس کی بہت تعظیم و تکریم ہوئی، اس کی دانائی و قابلیت کا ایسا شہرہ ہوا کہ وہ والی فیض[2] یعنے سلطان مراکو[3] کے دربار میں بھی باریاب ہوا۔

برک ہارٹ جس نے اس سے کچھ دن بعد انھیں ممالک کی سیر کی تھی، اس کی نسبت لکھتا ہے:-

> "ڈومنگو عرف علی بے اپنی مادری زبان اسپین کے علاوہ فرانسیسی اور اطالی زبانیں تو کچھ جانتا بھی تھا، مگر عربی وہ بہت بری طرح اور غلط بولتا تھا، تعجب ہے کہ نہیں معلوم علی بے میں پھر وہ کونسی خوبیاں تھیں، جن کے باعث اس کی شہرت ہوئی اور شاہی دربار میں وہ باریاب ہوا"

برک ہارٹ کے مذکورۂ بالا ریمارک پر اگرچہ اس قدر اضافہ اور کیا جا سکتا ہے کہ - ع

---

[1] میڈرڈ اسپین کا پایۂ تخت ہے آبادی یہاں کی تقریباً پانچ لاکھ ہے۔

[2] فیض سلطنت مراکو کا پایۂ تخت ہے یہاں کی یونیورسٹی ایک ہزار سال سے زائد مدت سے قائم ہے جس میں افریقیہ کے مختلف حصوں سے طالب علم تعلیم پانے کے لئے آتے ہیں اور بالاوسط سات آٹھ سو طالب علم ہر وقت رہتے ہیں، یہاں کی مسجد کو دلی جسے مسجد مولا ادریس بھی کہتے ہیں نہایت خوشنما ہے، اس میں مدرسہ قایم ہے اور ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں تیس پینتیس ہزار کتابیں ہیں، فیض کی آبادی ڈیڑھ دو لاکھ ہے۔

[3] سلطنت مراکو مغربی افریقیہ کی ایک خود مختار اسلامی ریاست ہے، مگر اب یہاں فرانس کا اثر بڑھتا جا رہا ہے۔

جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ

مگر بادشاہوں کے دربار میں باریاب ہوجانا کسی خاص قابلیت، زباں دانی اور خوبی پر منحصر نہیں ہے شاہی محلات اور بارگاہوں میں لائق و نالائق ہر قسم کے آدمی داخل ہوسکتے ہیں۔

علی بے مراکو میں دو برس مقیم رہا۔ ۱۸۰۵ء میں یہاں سے روانہ ہوا اور تھوڑے تھوڑے دن طرابلس، مصر، اسکندریہ و قاہرہ میں قیام کرتا ہوا سوئز وجدہ کی راہ سے ۱۸۰۷ء میں مکے پہنچا، چونکہ اس زمانے میں حجاز وہابیوں[1] کے تسلط میں تھا اور زیارت کے لئے مدینۂ منورہ میں حاجیوں کا داخلہ انھوں نے ممنوع قرار دیا تھا، اس وجہ سے علی بے بعد اختتام حج اسی برس ماہ جولائی میں قاہرہ کو لوٹ گیا، یہاں سے

---

[1] وہابی مذہب کا بانی محمد بن عبدالوہاب ۱۶۹۱ء میں نجد میں پیدا ہوا تھا، اس نے مذہبی تعلیم اپنے باپ سے حنبلی طریق پر پائی اور کتب اہل سنت کا بغور مطالعہ کیا، وہ تعظیم قبور اور استمداد قبور کو شرک قبر پرستی اور بت پرستی سے تعبیر کرتا تھا، اس نے ان رسوم کا قلع قمع کرنا چاہا، بہت سے لوگ اس کے ہم خیال ہوگئے اور اس کے باپ عبدالوہاب کے نام کی وجہ سے یہ لوگ وہابی کے نام سے موسوم ہوئے، محمد کے بعد اس کے بیٹے اور پوتے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس تحریک کے پھیلانے میں کوشاں رہے اور آخر اپنے مذہب کی اشاعت میں انھوں نے تلوار سے کام لیا، سلطنت ترکی کی کمزوری نے ان کے ارادہ کی تکمیل میں مدد کی، یہاں تک کہ ۲۷ اپریل ۱۸۰۳ء مطابق ۴ محرم ۱۲۱۸ھ کو سعود وہابی نے اپنا جھنڈا کعبہ میں جا بلند کیا اور مکے کو لوٹ کر وہاں کے تمام مزاروں کے گنبد ڈھا دئے، اردو کے مشہور شاعر انشا نے جن کے زمانہ کا یہ واقعہ ہے اپنے ایک شعر میں نہایت خوبصورتی سے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

دل ستم زدہ بے تابیوں نے لوٹ لیا ہمارے کعبے کو وہابیوں نے لوٹ لیا

سعد کے متعلد و لمبی ۱۸۰۱ء میں قبر امام حسین علیہ السلام پر کربلائے معلی میں کمال بیجا بی اور مدینۂ منورہ فتح کر کے گنبد خضریٰ کی بھی اسی قسم کی بے ادبی کی اور مدینے جانے والے حاجیوں کو روک دیا۔ اس سے بظاہر انسداد قبر پرستی مقصد تھا مگر حقیقت میں ان کی غرض یہ تھی کہ ان کے خلاف عقیدہ رکھنے والے مدینہ میں جمع نہونے پائیں۔ وہابیوں کی پے در پے فتوحات سے تمام عرب میں ان کا ڈنکا بجنے لگا، سلطنت ترکی جو اس وقت اپنی اندرونی اصلاحات اور کفار فرنگ کے نرغے میں پھنسی ہوئی تھی، اس طرف متوجہ نہ ہوسکی آخر ۱۸۱۰ء میں وہابیوں کے خلاف مہم بھیجنے کی تیاری کی گئی اور ۱۸۱۱ء میں محمد علی پاشا جو باب عالی کی طرف سے اس وقت مصر کا والی تھا، ایک فوج لے کر سوئز کی راہ سے مکے کی طرف بڑھا اور جہازوں کا ایک بیڑا ینبوع پہنچا۔ اور ترکی فوج نے مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا، پھر مختلف لڑائیوں کے بعد ترکوں نے وہابیوں کو فتح کر لیا، سب سے بڑی خونریز لڑائی طائف کے نزدیک بمقام بسیل ہوئی تھی، جہاں محمد علی پاشا فتح یا موت کی قسم کھا کر بیٹھا تھا، اور وہابیوں کو سخت شکست دی تھی، اس جنگ میں وہابی کے ایک ایک سر کے لئے پندرہ پندرہ روپے انعام مقرر کیا گیا تھا اور شام ہونے سے قبل وہابیوں کے پانچ ہزار سر پاشا کے سامنے جمع ہوگئے تھے، مقتول وہابیوں کے سروں کا ایک مینار مدینہ منورہ میں بھی بنایا گیا ہے، جو قبۃ الرؤس کے نام سے مشہور ہے، کئی سال کی متواتر کوششوں کے بعد ۱۸۱۶ء میں عرب کی فتوحات محمد علی پاشا نے مکمل کر دیں اور حجاز سے وہابیوں کا استیصال ہوگیا، البتہ نجد میں ان کا علاقہ اب بھی باقی ہے اور وہاں ایک وہابی حکمراں ہے۔

چند روز بعد فلسطین شام، یافہ[1]، دمشق[2]، اور حلب[3] کی سیر کو روانہ ہوا، اور اپنا سفرنامہ مرتب کرنے کے لئے دو مہینے حلب میں قیام کیا۔ یہاں لوگوں کو اس پر عیسائی ہونے کا شبہ ہوا، مگر اس کی بے انتہا فیاضی، داد و دہش اور بڑے بڑے امیروں کے خطوط سے جو اس کے پاس موجود تھے، سب شکوک رفع ہو گئے اور وہ بال بال بچ گیا، اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ علی بے کا اپنے کو عباسی شہزادہ ظاہر کرنا، محض شیخی پر مبنی ہے اور اپنی مہم کو کامیاب ثابت کرنے اور سفرنامے کو دلچسپ بنانے کے لئے اس نے لکھدیا، ورنہ جو شخص عربی النسل اور یادگار خلافت عباسیہ ہونے کا مدعی ہو اس کو اہل حلب معمولی مسلمان تک بھی نہ سمجھتے؟ حیرت کی بات ہے، میں اس مضمون کے دیباچہ میں لکھ چکا ہوں کہ یوروپین سیاحوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس پر سفر حجاز میں عیسائی ہونے کا شبہ نہ ہوا ہو، جو لوگ بچ کر نکل آئے ہیں انھوں نے اپنی کامیابی کو بڑی طمطراق سے ظاہر کیا ہے، یہی حالت علی بے کی بھی معلوم ہوتی ہے، دوران سفر میں اس نے غالبًا اپنے تئیں نومسلم ظاہر کیا ہوگا اور حلب میں اس پر جب عیسائی ہونے کا شبہ ہوا تو وہ اس کی داد و دہش اور سفارشی خطوط سے رفع ہو گیا اور لوگوں کو یقین آ گیا ہوگا کہ یہ صدق دل سے مسلمان ہے، ورنہ آبائی مسلمان، عرب اور عباسی تینوں باتوں کا ثبوت ملنا سخت دشوار تھا، بر کہار لکھتا ہے کہ "سات برس بعد تک علاوہ حلب کے حمص[4] اور دمشق کے لوگوں میں اس کا چرچا تھا"۔

یہاں سے علی بے قسطنطنیہ پہنچا، وہاں اسپین کا سفیر اس کے ساتھ بہت خاطر و تواضع سے پیش آیا، مگر یہاں بھی لوگوں کو اس پر شبہ ہوا اور مجبورًا وہ جان بچا کر یہاں سے بھاگ گیا۔

---

[1] یافہ ملک شام کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے، ۱۷۹۹ء میں فرانس کے بادشاہ نپولین نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، ۱۸۳۲ء میں محمد علی پاشا نے واپس لے کر ترکی سلطنت میں شامل کیا، جب فرانسیسی یہاں سے بھاگنے پر مجبور ہوئے تو تمام ترکی قیدیوں کا قتل عام کر دیا اور تخمینًا پانسو بیماروں کو جو شفاخانوں میں تھے زہر دے دیا، یافہ کی آبادی پچاس ہزار ہے۔

[2] دمشق شام کا مشہور ترین شہر ہے، یہاں کا چپہ چپہ زیارتگاہ اور ایک ایک ذرہ مسلمانوں کی تاریخ کا ایک ایک ورق ہے

[3] حلب شام کا بڑا شہر ہے یہاں کی اکثر مسجدیں اور مزارات قابل دید ہیں، خصوصًا حضرت ذکریا علیہ السلام کا مزار، شہر کے اطراف باغات بکثرت ہیں، یہاں کا ریشمی کپڑا اور عبائیں بھی اچھی ہوتی ہیں، حلب کی آبادی ڈیڑھ لاکھ ہے۔

[4] حمص شام کا نہایت قدیمی شہر ہے، باغوں کے بیچ میں آباد ہے، مردم شماری چالیس پینتالیس ہزار ہے۔

اسپین پہنچ کر علی بے سارا گوسا[1] کا ناظم مقرر ہوا پھر ۱۸۱۲ء میں قرطبہ[2] کا گورنر ہو گیا، مگر وہاں اس نے شاہ اسپین سے دغا کر کے نپولین شاہ فرانس سے سازش کر لی، آخر اس سازش کا بھید کھل گیا تو اس کو اسپین سے بھاگ کر فرانس میں پناہ لینی پڑی اور اس نے پیرس میں سکونت اختیار کر لی۔

علی بے کا سفر نامہ اولاً فرانسیسی زبان میں ۱۸۱۴ء میں "علی بے کا سفر افریقیہ و ایشیا" کے نام سے شائع ہوا تھا، پھر اس کا انگریزی میں ترجمہ ہو کر لندن میں چھپا اور علی بے نے خود وہاں جا کر اس کی تصحیح کی، اس کے بعد یورپ کی اور کئی زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہوا۔

۱۸۱۸ء میں علی بے نے پھر شام کا سفر کیا اور اس مرتبہ اپنا نام علی عثمان رکھا اور اپنے تئیں سلطنت فرانس کا پولیٹیکل ایجنٹ بتایا، مگر علی بے حلب تک پہنچنے پایا تھا کہ دفعتاً ۳۰ اگست ۱۸۱۸ء کو کسی نے زہر دے کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ یہ بات ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ۱۸۱۴ء میں جب برکھارٹ نے شام کا سفر کیا ہے تو حلب وغیرہ میں اس کا ذکر سنا تھا، اب تھوڑی ہی مدت بعد کہ اس کی شکل میں غالباً کچھ زیادہ تغیر بھی نہیں ہوا ہو گا، اور وہاں کے آدمیوں کی نظروں میں ہنوز اس کی صورت تازہ ہو گی، لوگوں کو اس پر کامل شبہ ہو گیا، کہ یہ وہی شخص ہے جو پہلے علی بے کے نام سے آیا تھا، اور اب اپنے تئیں علی عثمان ظاہر کرتا ہے، بس اسی بات پر کسی نے اس کو زہر دے کر اپنا فرض کفایہ ادا کر دیا، مرض الموت میں جب حلب کے

---

[1] سارا گوسا اسپین کا ایک شہر ہے، زمانہ قدیم میں اس کی بہت شہرت تھی، حملۂ اسپین کے وقت ۷۱۲ء میں مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا تھا، ۱۱۱۸ء میں عیسائیوں نے پانچ برس کے محاصرہ کے بعد واپس لے لیا، انیسویں صدی عیسوی کے ابتدا میں جب فرانسیسیوں نے اس پر حملہ کیا تھا تو اس وقت یہاں اہل اسپین نے بڑی سخت مدافعت کی تھی۔

[2] قرطبہ کئی سو برس تک سلطنت اسلامیہ اسپین کا دار الامارت رہ چکا ہے، عبد الرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبد الملک نے ۷۵۶ء میں اس کو فتح کر کے اپنا پایۂ تخت بنایا تھا، محلات و مساجد و باغات کی کثرت سے یورپ کے بہترین شہروں میں اس کا شمار ہوتا تھا، ۱۲۳۶ء میں عیسائیوں نے اسے مسلمانوں سے واپس لے لیا، اس کے بعد اسپین کی سلطنت اسلامیہ کا دار الحکومت غرناطہ قرار پایا، یہاں تک کہ سلطان محمد بن الاحمر کے زمانہ اور ۱۴۹۲ء میں قسطلیہ (کسٹائل) کے بادشاہ فرڈینینڈ اور اس کی ملکہ آئزبلا نے پورا ملک اسپین فتح کر کے اس اسلامی سلطنت کا نام و نشان مٹا دیا، دس لاکھ مسلمان قتل کئے گئے ہزاروں کو زندہ جلا دیا، لاکھوں کو عیسائی بنا لیا اور تین لاکھ مسلمانوں کو جلاوطن کر دیا حتیٰ کہ اس عظیم الشان سلطنت میں جہاں (۷۸۰) برس مسلمان حکمراں رہے اور جہاں بڑے بڑے ارباب کمال پیدا ہوئے وہاں اسلام کا اب کوئی نام لیوا بھی نہیں ہے، سینکڑوں معابد مقابر و مساجد اور خانقاہیں مسمار کر دی گئیں یا گرجوں اور عیسائی کنیسوں میں تبدیل کر دی گئیں، کہیں کہیں اب کسی عمارت کا نام باقی رہ گیا ہے اگرچہ علی العموم وہاں عیسائی مذہب ہے مگر اکثر جگہ اہل اسلام کے پردے کی رسم جاری ہے اور عیسائی عورتیں بھی بغیر برقعہ کے گھر سے باہر نہیں نکلتیں۔

حاکم نے تحقیقات کی اور علی بے کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے مختلف کاغذات برآمد ہوئے، جن سے اس کی حقیقت کھل گئی، علی بے کے دوسرے سفر سے اہل یورپ کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے، البتہ پہلے سفر کے حالات جو اس نے تحریر کئے، اہل یورپ نے ان کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا، گر برک ہارٹ لکھتا ہے :-

"مکہ معظمہ کے حالات جو علی بے نے تحریر کئے ہیں، ان کے بعض حصے غلط ہیں اور دوسری معلومات بھی کچھ ادھوری ہیں۔"

برٹن کی رائے ہے کہ "علی بے کی تحریر دو وجہ سے قابل قدر نہیں، اول یہ کہ ایام سفر میں اس نے اپنے تئیں شہزادہ ظاہر کیا، جس کے باعث وہ بہت سی ضروری باتوں سے محروم رہا، ہر جگہ آنے جانے اور معمولی اشخاص سے ملنے میں اس کی کسر شان تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ اس نے بطور فرانسیسی جاسوس کے سفر کیا تھا، تاہم اس کی کتاب میں مختلف دلچسپ واقعات درج ہیں، مگر مبالغہ کی چاشنی سب میں ہے۔"

مرتب کنندگان چیمبرز انسائکلوپیڈیا تحریر کرتے ہیں :-

"علی بے پہلا عیسائی ہے جو اس مقدس شہر (مکہ) میں داخل ہوا اور نہ اشاعت اسلام سے اس وقت تک کسی کو یہ فخر حاصل نہیں ہوا تھا۔"

مذکورہ بالا ریمارک بالکل غلط ہے، علی بے سے قبل لوئس برتما اور جوزف پٹس دو عیسائی اور بھی مکہ معظمہ پہنچ چکے ہیں اور وہاں کے حالات اپنے سفرناموں میں انھوں نے قلمبند کئے ہیں۔

افسوس ہے کہ علی بے کا سفرنامہ باوجود سخت تلاش اور جدوجہد کے مجھے کہیں نہ ملا، ہندوستان اور ولایت سب جگہ سے مایوسی ہوئی، گزشتہ موسم گرما میں خاص اس کی تلاش کے لئے میں نے بمبئی کا سفر بھی کیا، اور وہاں کے کتب فروشوں وغیرہ سے پوچھا، اور سرکاری وخانگی کتب خانوں میں بھی تلاش کیا، مگر ناکامی ہوئی، اگر اس کا سفرنامہ دیکھنے میں آجاتا تو جس طرح دوسرے سیاحوں کی تحریرات پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے، اس کو بھی پرکھا جاتا۔

حجاز کے فرنگی سیّاح

(از مولوی سیّد علی شبیر صاحب شبیر مترجم حیدرآباد ہائی کورٹ)

(۴)

عربی سیاحوں کا بادشاہ شیخ ابراہیم ابن عبد اللہ عرف جان لوئس برکھارٹ

اب ہم اُس فرنگی سیاح کا ذکر کرتے ہیں جس کو اہل یورپ عربی سیاحوں کا بادشاہ کہتے ہیں۔
اس کا فرضی نام شیخ ابراہیم ابن عبد اللہ اور اصلی نام "جان لوئس برکہارٹ" تھا۔ یہ ۲۴ نومبر ۱۷۸۴ء کو شہر لوسین[۱] واقع سوئٹزرلینڈ میں پیدا ہوا تھا۔ معمولی تعلیم کے بعد وہ دو برس تک لیپزگ[۲] یونیورسٹی میں پڑھتا رہا۔ پھر گوٹنگن[۳] میں تعلیم پائی بعد ازاں کیمبرج[۴] یونیورسٹی میں علم کیمیا۔ علم معدنیات، علم ادویہ و جراحی اور علم ہیئت حاصل کیا، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ عربی میں بھی اس قدر استعداد حاصل کرلی کہ حسب ضرورت لکھ پڑھ لیتا تھا۔ برکھارٹ کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا اس وجہ سے حصول علم کے بعد سنہ ۱۸۰۶ء میں وہ آفریکین ایسوسی ایشن کے روح رواں ممبر سر جوزف بنکس کے نام سفارشی خط لے کر لندن آیا۔ یہ کمیٹی افریقہ کے حالات دریافت کرنے کے لئے قائم ہوئی تھی۔ برکھارٹ اس کمیٹی میں ملازم ہوگیا اور اپنے تئیں ہر قسم کی تکالیف کا عادی بنا لیا۔ بھوک، پیاس، گرمی، سردی اُسے بہت کم مضرت پہنچا سکتی تھی۔ اس نے ختنہ کرالی تھی۔ داڑھی چھوڑ دی تھی اور دوسری عادتیں بھی مسلمانو

---

[۱] لوسین ملک سوئٹزرلینڈ کا ایک خوشنما شہر ہے یہاں مختلف علوم و فنون کے مدرسے ہیں
[۲] لیپزک جرمنی کا بڑا تجارتی شہر ہے۔ برلن سے کوئی ۸۰ میل جانب مغرب واقع ہے۔ یہ اشاعت کتب کا بڑا مرکز ہے یہاں کی یونیورسٹی کا جرمن کی یونیورسٹیوں میں چوتھا نمبر ہے اور کوئی پانسو برس سے قائم ہے۔
[۳] گوٹنگن جرمن کا ایک شہر ہے یہاں کی یونیورسٹی کسی زمانہ میں مشہور ترین یونیورسٹیوں میں شمار ہوتی تھی۔
[۴] کیمبرج انگلستان کا مشہور شہر ہے۔ لندن سے کوئی ۵۰ میل شمال و مشرق کی جانب واقع ہے۔ یہاں کی یونیورسٹی بہت اعلیٰ پیمانہ پر قائم ہے۔ اکثر ہندوستانی طالب علم ولایت جا کر اسی یونیورسٹی میں تعلیم پاتے ہیں کیمبرج کوئی چھ سو برس سے مرکز علوم و فنون چلا آرہا ہے۔

کی سی اختیار کرلی تھیں ۱۸۰۹ء میں کمیٹی مذکور نے برکھارٹ کو حکم دیا کہ ملک شام جائے اور وہاں عربی لب و لہجہ اور مسلمانوں کے رسم و رواج و مسائل و عقاید سے اچھی طرح واقف ہو کر قاہرہ ہوتا ہوا فیضان[1] پہنچے۔ وہاں سے صحرائے اعظم[2] طے کرکے سوڈان[3] جائے اور دریائے نائجر[4] کا منبع دریافت کرے چنانچہ برکھارٹ اس حکم کی بنا پر ۱۴ فروری ۱۸۰۹ء کو انگلستان سے روانہ ہو کر اپریل میں مالٹا[5] پہنچا یہاں سے ۲۰ اکتوبر کو حلب[6] روانہ ہوا اور وہاں پہنچنے کے بعد اپنا نام شیخ ابراہیم ابن عبداللہ رکھ لیا۔

برکھارٹ شام میں دو برس رہا اس درمیاں میں اس نے یہاں کے بہت سے دلچسپ و قابل دید مقامات دمشق[7] لبنان[8] فلمیرہ[9] وغیرہ کی سیر کی۔ عربی زبان میں خوب مہارت پیدا کرلی اور اسلامی عقاید و مسائل سے اچھی طرح آگاہ ہوگیا۔

---

[1] افریقہ میں طرابلس کے قریب فیضان ایک عربی ریاست ہے اس کا پایہ تخت مرزوق ہے۔ [2] افریقہ کا ریگستان جو دنیا میں سب سے بڑا صحرا ہے۔ اس کا رقبہ ہندوستان سے دگنا ہے۔ اس کا تمام علاقہ خشک ریتلا بیابان ہے کہیں کہیں سرسبز نخلستان ہیں۔ مختلف راستوں سے کاروان صحرائے اعظم کو طے کرتے ہیں۔ اس کے بیشتر حصہ کا فرانس دعوے دار ہے۔ [3] سوڈان مصر سے ملا ہوا ایک ملک ہے جس پر آج کل انگریزوں کا قبضہ ہے ۱۸۸۴ء میں یہاں ایک بزرگ سید احمد نامی نے مہدویت کا دعویٰ کرکے انگریزوں سے خوب جہاد کیا تھا۔ مہدی کی وفات کے کچھ برس بعد مصر کے ہائی کمشنر کچنر نے ان کی ہڈیاں قبر سے نکال کر دریائے نیل میں ڈال دیں۔ اور اس طرح اپنی قومی روایتی تہذیب کا ثبوت دیا [4] نائجر افریقہ کا مشہور دریا ہے۔ [5] مالٹا اٹلی سے متصل بحر روم میں انگریزوں کا مشہور بندرگاہ ہے جہاں بحر روم کا انگریزی بیڑا رہتا ہے۔ [6] شمالی ملک شام کا مشہور شہر ہے۔ اس کی مختصر کیفیت پیشتر لکھی جا چکی ہے۔ [7] دمشق ملک شام کا مشہور شہر ہے اور دنیا کے سب سے زیادہ قدیم شہروں میں سے ہے اکثر سیاحوں نے اس کو مشرق کی جنت لکھا ہے یہاں کے اکثر مساجد و مقابر زیارت گاہ ہیں۔ دمشق کا مختصر ذکر اس سے قبل حاشیہ میں تحریر کیا جا چکا ہے۔ [8] لبنان ملک شام میں دمشق و بیروت کے درمیان ایک پہاڑی علاقہ ہے اور شام میں سب سے زیادہ بلند مقام ہے یہ لفظ لبن سے مشتق ہے جس کے معنی دودھ کے ہیں چونکہ لبنان کے پہاڑوں پر چونے کے سفید پتھر بکثرت ہوتے ہیں اور نیز لبنان کی اکثر چوٹیاں تمام سال برف سے ڈھکی رہتی ہیں اس وجہ سے اس علاقہ کا نام لبنان ہوگیا ہے۔ جبل لبنان کی طرف عیسائی آبادی ڈیڑھ لاکھ ہے اور کل آبادی یہودی و مسلمان ملاکر تخمیناً چار لاکھ ہے ۱۸۶۰ء میں یہاں کے عیسائی اور یہودیوں نے بغاوت کرکے بڑا ہنگامہ برپا کیا تھا اس وقت سلاطین یورپ نے سلطنت عثمانیہ سے ایک معاہدہ کیا کہ لبنان کا گورنر ترکی رعایا سے کوئی عیسائی نامزد ہوا کرے اور تقریباً یہ صوبہ خود مختار ہوگیا۔ حلبی آئینہ جو تمام دنیا میں جاتا ہے وہ دراصل لبنان کے پہاڑوں کی برف ہے جو کھیتوں میں دبا دینے سے منجمد ہو کر سال بھر میں پتھر کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ [9] دمشق سے شمال و مشرق کی جانب کوئی ۱۵۰ میل کے فاصلہ پر ریگستان شام میں اس پرانے شہر فلمیر کے کھنڈر پائے جاتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس شہر کی توسیع و تزئین کی تھی جس کا ذکر کتاب سلاطین یعنی صحیفہ حضرت سلیمان میں موجود ہے۔ کسی زمانہ میں اس کا رقبہ تین چار میل تھا۔ آج کل ایک اجڑا گاؤں ہے جس میں سو دو سو جھونپڑیاں غریب عربوں کی ہیں۔ یورپین سیاح یہاں کے کھنڈروں کو چشم عبرت سے دیکھ کر بڑے بڑے نتیجے نکالتے ہیں۔

برکھارٹ کے سفرنامہ شام کے مرتب کرنے والے کرنیل لیک، اور سر ولیم اوسلے نے اس کی عربی دانی
کی بڑی تعریف کی ہے۔ کرنیل لیک لکھتا ہے "اس کی زبان بالکل عربوں کی سی تھی، اور قرآن و اسلامی
مسائل پر کامل عبور تھا۔ ایک مرتبہ وہ دفعتہً بہت سخت امتحان میں پڑ گیا تھا اور لوگوں کو اس کے
اصلی مسلمان ہونے میں شبہ ہوا تھا جس پر دو بڑے زبردست مولویوں نے قرآن شریف و مسائل
وغیرہ میں اس کا امتحان لیا مگر وہ اس آزمائش میں پورا اُترا اور اُن مولویوں پر ثابت ہو گیا کہ
یہ سچا مسلمان ہی نہیں، بلکہ ایک جید عالم و فقیہہ بھی ہے"۔ اسی طرح ایک اور جگہ کرنیل لیک لکھتا ہے
"برکھارٹ عربی میں بڑا قابل تھا، دین اسلام کے تمام اصول و فروع و عقاید و مسائل سے بخوبی واقف تھا،
اس کی زبان ایسی فصیح تھی کہ بالکل عرب کا اصلی باشندہ معلوم ہوتا تھا، تمام ایام حج اُس نے مکے میں
گزارے۔ اور مسلمانوں کی بہت سی عبادتوں اور تقریبوں میں شریک رہا مگر کسی کو اس پر مطلق
شبہ نہ ہوا، بلکہ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ گذری کہ وہ پہلے عیسائی تھا اور اب مسلمان ہو گیا ہے"

بیان مذکورۂ بالا مبالغہ سے خالی نہیں ہے۔ برکھارٹ کے سفرنامۂ عرب کے دیکھنے سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ وہ عربی عبارت اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا تھا، اس کی صراحت ہم آگے چل کر کریں گے، تاہم حجاز
میں عام لوگوں کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہوا تھا اور ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کی عربی دانی و عربی
وضع، قطع سے اُس کو عرب کا اصلی باشندہ سمجھے ہوں اور شاید اس کا ثبوت اس کے سفرنامہ شام اور
سفرنامۂ نوبہ میں مل سکے، مگر جو لوگ اس سے پیشتر سے واقف تھے، ان کو اس کے نو مسلم ہونے میں بھی
شک تھا جیسا کہ اس کے سفرنامہ عرب سے ظاہر ہے، یعنے جب محمد علی پاشا بانی خاندان خدیویہ مصر نے
جو اس زمانہ میں وہابیوں کی شورش فرو کرنے کے لئے حجاز گئے ہوئے تھے، برکھارٹ کو جدہ سے طائف
طلب کیا، تو والی جدہ کو حکم دیا کہ مکہ معظمہ کے باہر باہر کے راستے سے اس کو طائف پہنچا دے، حالانکہ
مکہ معظمہ کے اندر سے ہوتے ہوئے طائف تک سیدھی سڑک جاتی ہے مگر محض اس شبہ سے کہ برکھارٹ
عیسائی ہے، اس کو حدود مکہ کے اندر گھسنے نہ دیا۔ اور جب برکھارٹ طائف پہنچا ہے اور اس کی اطلاع
محمد علی پاشا کو ہوئی تو پاشا نے بر سر دربار کہا کہ "محض ڈاڑھی بڑھانے سے آدمی پکا مسلمان نہیں ہو سکتا"

علاوہ ازیں پاشا نے صادق آفندی قاضی مکہ کو حکم بھی دیا تھا کہ برکھارٹ کا مافی الضمیر معلوم کرکے "یہ ہے کتنے پانی میں"۔ برکھارٹ لکھتا ہے کہ قاضی صادق آفندی مجھ سے بدگمان تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ قسطنطنیہ پہنچ کر محمد علی پاشا کو باب عالی میں اس جرم کا مرتکب ٹھہرائے کہ اس نے مکہ معظمہ میں ایک نصرانی کو داخل ہونے دیا۔ یہ ایسا جرم تھا جس سے بریت ناممکن تھی۔ آگے چل کر وہ لکھتا ہے "بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ محمد علی پاشا قاہرہ پہنچ کر مسٹر سالٹ اور مسٹر لی انگریزی کونسل ا ورکئی اور انگریزی مسافروں سے یہ ذکر کیا کہ میں برکھارٹ سے حجاز میں پوری طرح واقف ہو گیا تھا کہ وہ عیسائی ہے مگر انگریزوں سے چونکہ میری دوستی ہے اس وجہ سے میں نے اس پر رحم کیا اور چشم پوشی کی تاکہ جس طرح ہو سکے قاضی مکہ کو دھوکا دے کر وہاں سے نکل جائے" اس بیان سے ظاہر ہے کہ محمد علی پاشا نے عمداً برکھارٹ سے اغماض کیا یا اس کے ظاہری اقرار اسلام کو کافی سمجھ کر اس کے سفر میں رکاوٹیں پیدا نہ کیں۔ خیر اب ہم پھر وہی سلسلہ شروع کرتے ہیں، حلب سے فیضان جانے کے لئے برکھارٹ قاہرہ روانہ ہوا ۴ ستمبر ۱۸۱۲ء کو قاہرہ پہنچ کر کچھ دن قافلے کے انتظار میں ٹھہرا رہا۔ مگر قریب میں چونکہ کوئی قافلہ فیضان جانے والا نہ تھا اس لئے وہ دریائے نیل کے راستے سے شہر محاس واقع ملک نوبہ چلا گیا۔ یہاں اس نے یہ ارادہ کیا کہ اگر مکہ جاکر حاجی کا لقب حاصل کر لیا جائے تو تحقیق کے مفید مطلب بہت سی معلومات ہاتھ لگ جائے گی۔ چنانچہ محاس سے وہ ایک غریب شامی کا بھیس بنا کر صحرائے نوبہ سے شنیڈی[1] ہوتا ہوا، سواکن[2] پہنچا اور یہاں سے جہاز میں روانہ ہو کر ۱۸ جولائی ۱۸۱۴ء کو جدہ داخل ہوا، وہاں سے حسب الطلب محمد علی پاشا خدیو مصر جو ان دنوں طائف میں مقیم تھے طائف[3] گیا اور وہاں کچھ دن قیام کے بعد مکے آیا اور مناسک حج ادا کر کے ۲۵ نومبر ۱۸۱۴ء کو عرفات پہنچا۔ حج ختم ہو جانے کے بعد برکھارٹ مہینے ڈیڑھ مہینے تک مکہ معظمہ میں اور رہا پھر جنوری ۱۸۱۵ء کو

---

[1] شنیڈی ملک نوبہ کا ایک مشہور شہر ہے جو دریائے نیل کے مشرقی ساحل پر واقع ہے کسی زمانہ میں بردہ فروشی کی یہ بڑی منڈی تھی شنیڈی کے قریب قدیم مصریوں کے بت البقرا و یہ کے مندر کے کھنڈر اور متعدد اہرام ہیں۔

[2] سواکن بحر احمر کے ساحل پر علاقہ نوبہ کا ایک مشہور بندرگاہ ہے۔

[3] طائف کا مختصر ذکر اس سے قبل حاشیہ میں لکھا جا چکا ہے۔

مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ اب تک اہل یورپ کو اس شہر کے حالات بہت کم معلوم ہوئے تھے۔ مدینہ طیبہ میں پہنچ کر برکھارٹ بہت سخت بیمار ہو گیا اور کئی مہینے تک وہاں ٹھہرا رہا پھر تندرست ہو کر براہ ینبوع[1] طور[2] روانہ ہوا اور وہاں سے جون ۱۸۱۵ء کو جزیرہ نمائے سینائی[3] ہوتا ہوا سوئز کی راہ سے قاہرہ لوٹ گیا۔

برکھارٹ نو مہینے عرب میں رہا۔ اس عرصہ میں اگرچہ وہ طرح طرح کی فکروں اور پریشانیوں میں مبتلا رہا اور قسم قسم کی تکلیفیں اٹھائیں مگر قاہرہ پہنچ کر اس نے پھر اپنی مقررہ مہم کی دل میں ٹھان لی۔ اتفاقاً کئی سال سے کوئی قافلہ قاہرہ سے فیضان نہیں گیا تھا، برکھارٹ اس انتظار میں یہاں ٹھہرا رہا کہ اگر کوئی پھر ادھر قافلہ فیضان جائے تو اس کے ساتھ ہو لے، اور اسی کے ہمراہ قاہرہ لوٹ آئے۔ ماہ دسمبر ۱۸۱۶ء میں مغربیوں[4] کا ایک قافلہ قاہرہ و فیضان ہوتا ہوا مغربی افریقیہ کو جانے والا تھا مگر برکھارٹ کو اس ملک کا دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ ماہ اکتوبر میں بعارضہ پیچش علیل ہوا اور ۱۵ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو قاہرہ میں انتقال کیا۔ اس کی موت کے متعلق دو روایتیں مشہور ہیں، ایک یہ کہ وہ اپنی موت سے مرا اور ترکوں نے بوجہ اس کے علم و تقدس کے بڑی دھوم سے اس کا جنازہ اٹھایا اور باب[5] البقر سے باہر مسلمانوں کے بڑے قبرستان میں اس کو دفن کیا۔ دوسری روایت وہ ہے جو برٹن کو معلوم ہوئی، اور بقول برٹن جس کی شہرت برکھارٹ کی وفات کے چالیس

---

[1] ینبوع بحر احمر کا ایک مشہور بندرگاہ ہے یہاں سے ہمیشہ حاجیوں کے قافلے مدینہ منورہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے یہاں سے مدینہ منورہ (۶۶) کوس ہے۔

[2] طور ساحل بحر احمر پر ایک بندرگاہ ہے یہاں سے بتدریج بلندی چلی گئی ہے جو کوہ طور یا جبل طور سینائی چوٹی پر ختم ہوتی ہے جس کی بلندی سطح سمندر سے (۷۴۹۸) فٹ ہے۔ کوہ طور کو حضرت موسیٰ کی وجہ سے مسلمانوں میں جو شہرت حاصل ہے وہ محتاج صراحت نہیں۔ قصبۂ طور کی آبادی تخمیناً سات آٹھ ہزار ہے اور زیادہ تر عیسائی آباد ہیں جو جہازیوں کو غلہ وغیرہ فروخت کرتے ہیں۔

[3] جزیرہ نمائے سینائی یا کوہ سینا بحر احمر کے متصل و سوئز کے قریب ایک پہاڑی مقام یا مختلف پہاڑوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی دو مشہور چوٹیاں ہیں ایک جبل قیطران دوسری جبل موسیٰ ان کی بلندی سطح سمندر سے علی الترتیب (۸۵۹۳) اور (۷۴۹۸) فٹ ہے۔ جبل موسیٰ کے سامنے ایک چھوٹا سا سطح میدان ہے جسے الراحہ کہتے ہیں اور عموماً اسی کو جبل سینا کہتے ہیں اور مشہور ہے کہ حسب روایت توریت شریف بنی اسرائیل نے اسی مقام پر ڈیرے ڈالے تھے جبل موسیٰ کے دامن میں وادی شعیب واقع ہے۔ یہاں ایک خانقاہ بنی ہوئی ہے جس میں کلیسائے یونان کے تیس چالیس راہب سکونت رکھتے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بعض زیارت گاہیں یہاں موجود ہیں جو رب ارنی اور لن ترانی کی داستانیں سناتی ہیں۔ جزیرہ نمائے سینائی کی مردم شماری پندرہ بیس ہزار ہے۔ زیادہ تر عرب آباد ہیں۔

[4] طرابلس و الجزائر واقع افریقیہ کے رہنے والے مغربی کہلاتے ہیں۔

[5] باب البقر شہر قاہرہ کا ایک دروازہ سوئز کی راہ پر ہے۔ قافلہ حجاج و محمل مصری کی روانگی اسی دروازہ سے ہوتی ہے۔

برس بعد تک بام طور پر قاہرہ کے گلی کوچوں میں تھی، وہ لکھتا ہے کہ برکھارٹ قاہرہ کی جامع ازہر[1] میں تجوید سیکھا تا تھا، یہاں لوگوں کو اس کے مسلمان ہونے میں شک ہوا اور اس کی تلاشی لی، شامت اعمال کہ اس نے تعصب و کمینہ پن سے کلمہ اپنے تلوے پر لکھ لیا تھا، جونہی کہ مسجد کے امام کی نظر اس پر پڑی، آپ سے باہر ہوگیا، اسی دم تلوار سونت لی اور ایک ہی ہاتھ میں دو کر دیئے۔

میری رائے میں یہ پچھلی روایت صحیح نہیں ہے، برکھارٹ جیسے ذی علم و جہاں دیدہ سے ایسی غلطی ممکن نہیں، اس کی طبیعت میں نہ ایسا جاہلانہ تعصب تھا اور نہ وہ ایسی بیہودہ حرکت کر سکتا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ کوئی اور صاحب ہوں، اور امتداد زمانہ نے برکھارٹ ہی کو قتیل تعصب ٹھہرا دیا ہو۔ ایک معتبر شخص مصری سیاحوں کی زبانی مجھ سے روایت کرتے تھے کہ اہل مصر کا خیال ہے کہ برکھارٹ صدق دل سے مسلمان ہوگیا تھا اور لوگ اس کے علم و فضل کے لحاظ سے اس کو شیخ برکات کہنے لگے تھے، مصر کے اکثر علما اس کے حالات و واقعات سے مطلع ہیں، یہ روایت بھی اس پہلی روایت کی تائید کرتی ہے، جو برکھارٹ کی موت کے متعلق اوپر لکھی جا چکی ہے۔

برکھارٹ نے کل عمر تینتیس برس کی عمر پائی اور اس مختصر عمر میں اس نے وہ وہ کام کئے کہ سو برس والا بھی بمشکل سے کرے گا۔

اس کی ناگہانی موت سے عموماً اہل یورپ کو اور خصوصاً انگریزوں کو بہت ہی صدمہ ہوا، برکھارٹ اپنی تمام تحریریں اور حالات سفر وقتاً فوقتاً انگلستان روانہ کرتا رہتا تھا، اس کی خط و کتابت ہمیشہ اس کمیٹی سے جس کا یہ ملازم تھا جاری رہتی تھی، اس وجہ سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے ملفوظات ضائع نہیں ہوئے۔ سیاحت و تحقیقات برکھارٹ کی طبیعت کا جزو تھی، اس کی آنکھوں اور اس کے کانوں سے بمشکل کوئی چیز بچ سکتی تھی، جہاں جہاں وہ پھرا وہاں کے رسم و رواج، معاشرت، قانون، مذہب، تجارت، درآمد برآمد اشیا، صنعت و حرفت، پیداوار، زراعت، زبان، تاریخ و جغرافیہ کے

---

[1] دولت فاطمیہ مصر کے سلطان المعز لدین اللہ کے سپہ سالار جوہر نے ۳۵۹ھ میں اس مسجد کو تعمیر کرایا تھا، پھر دوسرے سلاطین نے اپنے عہد میں اس کے لئے جائدادیں وقف کیں۔ جامع ازہر دنیا کی سب سے قدیم یونیورسٹی ہے، اس مسجد کا رقبہ تقریباً نو ہزار مربع گز ہے، ہر اسلامی ملک کے طلبہ کے لئے اس میں دارالاقامے بنے ہوئے ہیں۔ تخمیناً نو دس ہزار طالب علم اس میں تعلیم پاتے ہیں اور کوئی تین سو بیس استاد

لق بہت سچے حالات تحریر کیے ہیں، اور تمام واقعات کو نہایت درستی و تحقیق سے دلچسپ پیرایہ میں
ا ہے، چنانچہ سفرنامۂ عرب میں بھی اس نے ملک حجاز اور مکہ و مدینہ کے بہت مفصل حالات درج کیے
خصوصاً جدہ و مکہ کے حالات جس تفصیل سے برکھارٹ نے لکھے ہیں آج تک کسی مسلمان یا عیسائی
ح نے نہیں لکھے، حجاز کی تجارت و صنعت و حرفت و درآمد برآمد کی کیفیت اس وضاحت سے
ن کی ہے کہ حیرت ہوتی ہے کسی شخص کو اپنے وطن کی تجارت کے متعلق بھی شاید ہی اتنی معلومات
ہی کہ برکھارٹ نے ایک غیر ملک کی نسبت حاصل کی، اب تک اہل یورپ کو حجاز کے حالات
ت کم معلوم تھے، برکھارٹ نے تمام حالات و واقعات کو آئینہ کر دیا، اور اس کے سفرنامے کے بعد
ا قدر کتابیں اور سفرنامے حجاز کے متعلق لکھے گئے ان سب کا ماخذ سفرنامہ برکھارٹ ہے۔ برٹن بھی
ہ کا تتبع و ریزہ چین ہے، جا بجا اس نے برکھارٹ کی قابلیت و تحقیقات و جستجو کی تعریف کی ہے،
الات و واقعات بلا کم و کاست برکھارٹ کے سفرنامے سے اس نے اپنے سفرنامے میں نقل کیے ہیں
ہ یہ کہ برکھارٹ کا سفرنامہ دیکھنے کے بعد ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کیا دل و دماغ، و ذہن و حافظہ
تلاش و تحقیق اللہ تعالی نے اس کو عطا کیا تھا، ایک بڑی خوبی اس کے سفرنامے میں یہ ہے کہ ورق
رق اور صفحے کے صفحے پڑھتے چلے جائیے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا لکھنے والا کوئی عیسائی ہے یا
ن، مذہبی تعصب کی مثال شاذ و نادر ہی اس کے سفرنامہ میں ملتی ہے، البتہ قومی تعصب جو
رپ کو ایشیا والوں کے ساتھ ہے اس کا تھوڑا حصہ برکھارٹ کو بھی فطرتاً ملا تھا، اور اس وجہ سے
ادھ جگہ اس کی جھلک نظر آتی ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد منیف و قبر شریف
ت بحوالہ سید سمہودی مورخ مدینہ اس نے جو خامہ فرسائی کی ہے اور یہ تحریر کیا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ
م ایک صندوق میں دفن ہیں" اور حالات مدفن شریف کے متعلق سید سمہودی کی دو مختلف
ں کی تحریر کو ان کی متضاد بیانی سے تعبیر کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عربی عبارت کا مطلب
ح نہیں سمجھ سکتا تھا، یا یہ کہ اس کے سفرنامے میں جو اس کے انتقال کے بارہ برس بعد طبع ہوا ہے،
مرتب کرنے والوں نے کچھ تحریف کر دی ہے جس سے اگرچہ نکتہ چیں عیسائیوں کو ایک شگوفہ ہاتھ

آگیا مگر برکھارٹ کی عربی دانی کو بٹہ لگ گیا۔ چونکہ برکھارٹ کا یہ بیان محض بطور تذکرہ واقع ہوا ہے اس لئے ہم اس کے متعلق یہاں زیادہ تحریر نہیں کرتے البتہ برٹن کے حالات میں جس نے برکھارٹ کے ریمارکو مذکور پر ایک پاڑ باندھی ہے اور اس کو ایک دلیل قرار دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو فرضی قبر ظاہر کیا ہے ہم بالتفصیل بحث کریں گے۔ برکھارٹ کی تصنیفات سفرنامہ شام، سفرنامہ نوبہ، سفرنامہ عرب میں وہابیوں اور بدویوں کے حالات اور عربی ضرب الامثال ہیں۔ برکھارٹ کا سفرنامہ عرب سنہ ۱۸۲۹ء میں ہنری کالبرن ساکن لندن محلہ نیو برلنگٹن اسٹریٹ نے انگریزی میں دو جلدوں میں شائع کیا تھا پھر اس کا فرانسیسی میں ترجمہ ہوا۔

اب سے کوئی تیئیس برس قبل جب نومبر سنہ ۱۹ء میں اس درویش کا مضمون فرنگی حجاج حیدرآباد کے مشہور رسالہ افسر میں شائع ہوا تھا، اس میں منجملہ دوسرے سیاحوں کے برکھارٹ کا مکمل تذکرہ بھی درج کیا گیا تھا اسی وقت سے مجھے یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اس مشہور و معروف سیاح کے سفرنامہ عرب کا ترجمہ انگریزی سے زبان اردو میں کر ڈالوں، اور اس محقق ہمہ داں و ہمہ گیر سیاح کا جسے اہل یورپ عربی سیاحوں کا بادشاہ کہتے ہیں، اہل ہند سے تعارف کرا دوں۔ میرا یہ خیال ارادہ و شوق کی حد سے نکل کر تمنا کے درجہ تک پہنچ گیا تھا مگر بعض وجوہ نے ارادہ کی تکمیل نہ ہونے دی، آخر سنہ ۱۹۱۴ء میں میری یہ آرزو پوری ہوئی اور حیرت انگیز عجلت کے ساتھ ترجمہ ہو گیا سنہ ۱۹۱۵ء میں اس ترجمے کے کچھ صفحات حیدرآباد کے علمی رسالہ "افادہ" میں تین چار مہینے تک شائع ہوتے رہے تھے مگر رسالہ مذکور کی بے وقت موت سے یہ سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ ترجمہ بالکل مکمل موجود ہے، اگر شبیر و آل شبیر کو خدا نے اس کے طبع کرانے کی توفیق عنایت کی تو سبحان اللہ ورنہ زندگی میں میرے قلب کو اور مرنے کے بعد میری روح کو تسکین دینے کے لئے یہ خیال کافی ہے کہ میں نے اپنے خبط کی تکمیل کر لی اور میری مراد حاصل ہو گئی۔

انشاء اللہ تعالیٰ اس کے سفرنامے سے بعض بعض واقعات اخذ کر کے آئندہ نمبر میں پیش ناظرین کئے جائیں گے۔

حجاز کے فرنگی سیّاح

از مولوی سید علی شبیر صاحب شبیر مسٹر جسٹم حیدر آباد ہائی کورٹ

گذشتہ سے پیوستہ

جدے کے قہوہ خانوں کے ذکر میں برکہارٹ لکھتا ہے۔

"ایک دکان پر یہاں حشیش پینے والوں کا جمگھٹ رہتا ہے، یہ گانجے کے پھول کو تمباکو میں ملا کر بناتے ہیں، اس میں کچھ نشہ ہوجاتا ہے، غریب آدمی چلم میں بھر کر دم لگاتے ہیں، اور امیر معجون میں اسے استعمال کرتے ہیں، حشیش کی معجون کا مہذب نام بسط[1] ہے، اور اس کے بیچنے والے کو بسطی کہتے ہیں۔"

افسوس ہے کہ زمانۂ حال کے سیاحوں نے بھی جدے کے متعلق بعض کروہات کا ذکر کیا ہے، مگر جو مقام کہ چھاؤنی ہوتا ہے، اور جہاں مختلف سلطنتوں کے سفیر رہتے ہیں اور انواع واقسام کے لوگ جہاں آتے جاتے رہتے ہیں، وہاں اگر اس سے بھی بڑھ کر عیب پائے جائیں، تو حیرت کی بات نہیں ہے، مگر حجاز کا شہر اور باب المکہ ہونے کی حیثیت سے جدے میں اس قسم کے منظر بہت ہی مکروہ معلوم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اہل حجاز کو توفیق خیر عطا کرے۔

احرام[2] کی نسبت برکہارٹ لکھتا ہے:۔

"جاڑے ہوں یا گرمی احرام دونوں موسموں میں تکلیف دہ اور مضر صحت ہے خصوصاً شامی حاجی جو اونی کے موٹے کپڑے پہننے کے عادی ہیں، اس وقت وہ بھی اپنے اونی کپڑے کئی دن کے لئے اتار دیتے ہیں، لیکن بعض لوگوں کا جوش مذہبی اس قدر بڑھا ہوا ہے، کہ وہ خوامخواہ کئی ..."

---

[1] بسط سے مراد انبساط و خوشی پیدا کرنے والی شئے ۱۲ [2] احرام کے لغوی معنی حرم میں داخل ہونے کے ہیں، شرعی اصطلاح میں ان دو چادروں کو کہتے ہیں، جو حاجی حدود حرم میں داخل ہونے سے قبل ایک بطور تہ بند باندھ لیتے ہیں، اور ایک اوڑھ لیتے ہیں، اور بعض حلال چیزیں مثلاً سیئے ہوئے کپڑے پہننا، ٹوپی اوڑھنا، عمامہ باندھنا، عطر لگانا، حجامت بنوانا وغیرہ اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں، حج ختم ہونے کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے، اور معمولی لباس پہن لیا جاتا ہے، غرض اس سے یہ ہے کہ امیر و غریب سب ایک ہی لباس میں ننگے سر خدا کے دربار میں قیدیوں اور گنہگاروں کی طرح حاضر ہو کر گناہوں سے معافی مانگیں اور فقر و دولت کی کوئی تمیز اس وقت باقی نہ رہے۔

مہینے قبل کے بن آئیں، وہ عہد کر لیتے ہیں، کہ جب تک حج ختم نہ ہو جائے، ہمیشہ احرام ہی باندھے رہیں گے، اور اس طرح مہینوں تک وہ اسی باریک لباس میں رہتے ہیں۔"

احرام کے مضر صحت ہونے کے متعلق کسی مسلمان حاجی نے ذکر نہیں کیا، بات یہ ہے کہ جوش عقیدت میں کوئی تکلیف تکلیف نہیں معلوم ہوتی۔

آنحضرت صلعم کے چچا اور حضرت علیؓ کے والد جناب ابی طالب کی نسبت مکے والوں کو جو عقیدت ہے، اس کے متعلق برکہارٹ لکھتا ہے:۔

"مکے والے ابی طالب کو اپنے شہر کا سرپرست سمجھتے ہیں، اور بہت آدمی وہاں ایسے ہیں، کہ خدا کی قسم توڑ ڈالنا، ایک بات سمجھتے ہیں، مگر حضرت ابو طالب کی جھوٹی قسم کھانے سے ڈرتے ہیں یہ لوگ پردیسیوں کو دھوکا دینے کے لئے، بیت اللہ اور کعبے کی قسم کھا لیتے ہیں، لیکن ابو طالب کی قسم سے یہ سمجھتے ہیں، کہ ان پر پھٹکار ہو جائے گی۔"

بیت اللہ کی معجز نما وسعت کی نسبت برکہارٹ نے حسب ذیل ریمارک کیا ہے:۔

"مکے میں یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا ہے، اور یہ ایک حدیث پر مبنی ہے، کہ بیت اللہ میں خواہ کتنے ہی مسلمان آجائیں، سب سما سکتے ہیں، حتیٰ کہ اگر ایک ہی وقت میں تمام دنیا کے مسلمان اس میں داخل ہو جائیں، تو ان سب کو نماز کے لئے یہاں جگہ مل سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسجد میں پینتیس ۳۵ ہزار سے زائد آدمی نہیں سما سکتے، اور مجھے یقین ہے کہ بڑے سے بڑے حج میں بھی یہ جگہ کبھی آدھی بھی نہیں بھرتی، جمعہ کے دن بہت سے مکے والے خلاف شرع اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اور بہت سے حاجی بھی اس کی تقلید کرتے ہیں، میں نے بیت اللہ میں دس ہزار سے زیادہ آدمی کبھی ایک مرتبہ میں شمار نہیں کئے۔"

بیت اللہ کی وسعت کا ذکر قریب قریب ہر مسلمان سیاح نے اپنے سفرنامے میں کیا ہے، لیکن حاجی عبدالرحیم صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنگلور نے جس وضاحت سے اس معجزے کا ذکر اپنے سفرنامہ "سفر حرمین الشریفین" میں کیا ہے، ایسا کسی اور کتاب میں دیکھنے میں نہیں آیا، اس جگہ اس کی نقل درج کرنا بے محل نہ ہوگا، اور چونکہ حاجی صاحب مکہ بند دست

پیمائش کے ایک اعلیٰ عہدہ دار ہیں، اس لئے ان کی رائے بحیثیت ماہر فن ایک خاص وقعت رکھتی ہے، وہ فرماتے ہیں:-

"از روئے پیمائش حرم شریف میں تیس ہزار آدمیوں کی جائے ہے، اس سے زیادہ ہرگز نہیں یہ بھی میرے جانب سے کچھ زائد ہی ہے، اس میں لاکھوں آدمیوں کا سما جانا، اور جائے کی تنگی کا شکوہ نہ ہونا، زندہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے، اس سال بروایت مختلفہ چھ اور دس لاکھ کے درمیان حاجیوں کی تعداد رہی، اگر اس کا نصف کر لیا جائے تو آٹھ لاکھ نفوس ہوتے، اگر اس کو بھی زیادہ سمجھتے ہیں تو اور کچھ کم کر دیجئے، آخر نوبت پانچ لاکھ سے تو ہرگز کم پر نہ آئے گی، ان پانچ لاکھ حاجیوں میں سے ذوالحجہ کے پہلے جمعہ کو تقریباً تین لاکھ حاجی مکہ معظمہ میں داخل ہو چکے تھے، اب ذرا جائے غور ہے، کہ کون ایسا شخص ہوگا کہ اس قدر دور و دراز سفر کے بعد کعبۃ اللہ میں جمعہ کی نماز پڑھنا نہ چاہے گا، فیصلہ یہی ہوگا، کہ سب لوگ ضرور جمعہ کی نماز حرم میں پڑھیں گے، معزز حاضرین آپ خود ہی خیال کریں، کہ وہاں تو جگہ صرف تیس ہزار کی ہے، یہ تین لاکھ کا مجمع کیسے سما سکے گا، اللہ اکبر کیسا زندہ معجزہ ہے، کیا کوئی فرد یہ کہہ سکتا ہے، کہ میں نے نماز جمعہ کے لئے حرم میں جانا چاہا مگر جگہ نہ ملی واپس ہو گیا"۔

بیت اللہ میں ناشائستہ حرکات کے متعلق برکہارٹ نے جو ریمارک کیا ہے، اگرچہ اس کی تصدیق تو کسی مسلمان کے سفرنامے سے نہیں ہوتی، تاہم سخت عبرت ناک ہے:-

"حرم میں لڑکے کھیلتے ہیں، اور مزدور سامان کے گٹھے اسی میں ہو کر لیجاتے ہیں، تاکہ ایک محلے سے دوسرے محلہ کو پاس کے راستے سے نکل جائیں، ان باتوں میں مکے کی مسجد دوسرے اسلامی ملکوں کی مسجدوں سے مشابہ ہے، لیکن بہ نسبت دوسری مسجدوں کے بیت اللہ میں ناشائستہ اور مجرمانہ حرکات زیادہ خصوصیت کے ساتھ دکھائی دیتی ہیں، اور لطف یہ ہے، کہ ایسی حرکتیں چھپا چوری بھی نہیں کی جاتیں، بلکہ کھلے خزانے، اکثر ایسا ہوا ہے، کہ جو مکروہ باتیں دیکھ کر مجھے طیش آ گیا، دوسرے لوگ ان پر صرف ہنس دئے، یا خفیف سی سرزنش کر دی"۔

خوجے جو بیت اللہ کی خدمت کے لئے مامور ہیں، ان کے ذکر میں برکہارٹ لکھتا ہے کہ:-

"اگرچہ یہ بات تعجب خیز ہے، مگر سب جوان خوجوں کی حبشی لونڈیوں کے ساتھ شادیاں بھی کرا دی جاتی ہیں"

مطوفوں کی شکایت سے اگرچہ تمام مسلمان حاجیوں کے سفرنامے بھرے پڑے ہیں، مگر ان کے متعلق ایک فرنگی کی رائے بھی ملاحظہ ہو:۔

"مکے کے سب سے زیادہ بے غیرت اور کمینے باشندے مطوفی کا پیشہ کرتے ہیں، حج کے دنوں میں مطوفوں کی بڑی مانگ ہوتی ہے، یہ لوگ حاجیوں کو طواف کراتے ہیں، دعائیں پڑھاتے ہیں، مقدس مقامات کی زیارت کراتے ہیں، اور شہر میں ہر قسم کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں، لیکن ان کی بدمعاشیوں کے باعث جس قدر ان سے ایذا پہنچتی ہے، اس کا پاسنگ بھی فائدہ نہیں پہنچاتا، یہ لوگ صبح سے شام تک حاجیوں کے کمرے کا محاصرہ کئے رہتے ہیں، جہاں تک ممکن ہوتا ہے، ان سے روپیہ اٹھواتے ہیں، جس میں ان کا بھی حصہ لگتا ہے، حاجیوں سے روپیہ اٹھوانے کا یہ کوئی موقع نہیں چھوڑتے، افسوس ان غریب جاہل ترکوں پر ہے، جو کسی تجارتی معاملہ میں ان کو اپنا مترجم مقرر کر لیتے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کا پیشہ زائرین سے روپیہ وصول کرنا ہوتا ہے، ان کے اخلاق عموماً ایسے ہی بگڑ جاتے ہیں، خواہ وہ بیت المقدس کے عیسائی پادری ہوں، یا بنارس و الہ آباد کے ہندو پانڈے یا اجمیر شریف کے مجاور، اہل مکہ کی شراب نوشی کے متعلق برکہارٹ نے یہ زہر اگلا ہے:۔

"اس متبرک شہر کا تقدس اور قرآن شریف کے سنجیدہ احکام، مکے والوں کو شراب پینے سے، اور ان تمام بیہودگیوں سے، جو شراب نوشی کا لازمی نتیجہ ہیں، روک نہیں سکتے، ہندوستانی بیڑا عرق کے پیپے کے پیپے بھر کر لاتا ہے، اور یہ شراب شکر، اور دار چینی کا ست ملا کر دار چینی کے عرق کے نام سے بیچی جاتی ہے، مکے اور جدے کے شریف بڑے بڑے سوداگر، علما اور تمام معززین، اسی عرق کے پینے کے عادی ہیں، اس کی نسبت وہ اپنا دل بہلانے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں، کہ نہ یہ برانڈی ہے، اور نہ شراب انگوری اس وجہ سے مذہباً حرام نہیں ہے، جو لوگ غریب ہیں، اور ایسی مہنگی چیز نہیں خرید سکتے، وہ بھی ایک قسم کا نشہ اور عرق پیتے ہیں جو کشمش کو

"ابال کر بنایا جاتا ہے، اور طائف سے آتا ہے، ادنیٰ قسم کے لوگ بوزہ[1] پیتے ہیں"

جس زمانہ میں برکہارٹ نے سفر حجاز کیا ہے، اس وقت خدیو محمد علی پاشا وہابیوں کی شورش فرو کرنے کے لئے وہاں گئے ہوئے تھے، اور مصری فوجیں مکہ معظمہ اور دوسرے مقامات پر پڑی ہوئی تھیں اس لئے کیا عجب ہے کہ مصری سپاہی جو اہل یورپ کی طرح مہذب ہو چلے ہیں، شراب خواری بھی، اپنے ساتھ وہاں لے گئے ہوں۔

مکے والوں کی عادات ناشائستہ کے متعلق برکہارٹ نے مندرجہ ذیل شرمناک ریمارک کیا ہے، مسلمان سیاحوں کے سفرنامے، اس کی صراحت سے بالکل ساکت ہیں، لیکن اگر یہ سچ ہے تو اہل مکہ ڈوب مریں، اور اس بات کی سخت ضرورت ہے، کہ غازیان اسلام کی شمشیر آبدار ایسے نجس وجودوں سے اس ارض مقدس کو پاک کرے ہمارے ہندوستانی حاجی، جو ہر سال ہزاروں کی تعداد میں حج کے لئے جاتے ہیں، ان کا فرض صرف اسی قدر نہیں ہے، کہ حج کیا، اور چلے آئے، بلکہ ان کا فرض اولین یہ ہے، کہ خلاف شرع امور کا قلع قمع کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش عمل میں لائیں، اور حجاز مقدس میں ایک زبردست محکمۂ احتساب قائم کرانے کے لئے سعی بلیغ کریں، ہم کو یقین ہے کہ برکہارٹ کا بیان، اہل مکہ پر ایک سخت حملہ ہے، جس کا ثبوت کسی مسلمان کی تحریر سے نہیں ملتا، مگر کیا اچھا ہو، کہ ہمارے مقدس مقامات خفیف ترین برائیوں سے بھی پاک ہو جائیں، اور وہاں کے باشندوں کے اخلاق، اسلامی احکام کا نمونہ ہوں، برکہارٹ لکھتا ہے:۔

"اور خرچوں کے ساتھ حبشی لونڈیوں کے خریدنے کا بھی خرچ ہے، جن کو یہاں کے مرد رکھتے ہیں، اور پھر بازاری عورتوں کے پیچھے بھی روپیہ اڑایا جاتا ہے، جن کے ہاں اکثر آدمی آیا جایا کرتے ہیں، بڑی بڑی رقمیں ان خواہشات نفسانی میں اور بھی خرچ کی جاتی ہیں، جو اس سے بھی زیادہ بری اور گھٹی ہوئی ہیں، لیکن بدقسمتی سے وہ حجاز کے شہروں میں بھی ویسی ہی رائج ہیں، جیسی کہ ایشیا کے دوسرے ملکوں میں دیکھی جاتی ہیں، یہ پیشتر دکھایا جا چکا ہے، کہ خود مکے کی مسجد جو مذہب اسلام کا مقدس مرکز ہے، تقریباً عام طور پر روزانہ فحش ترین حرکتوں سے ناپاک ہوتی رہتی ہے، جس کو یہاں کوئی بے حرمتی نہیں خیال کیا جاتا، مختلف قسم کے لڑکوں کو یہاں کے لوگ ترغیب دلاتے ہیں، اور ان کے

---

[1] بوزہ ایک ادنیٰ درجے کی شراب ہے، جو چانول یا جو سے تیار کی جاتی ہے ۱۲

والدین بھی ایسے کمینے ہیں، کہ روپے کی خاطر ان کی جانب سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

اہل مکہ کی مذہبی پابندی کے متعلق برکہارٹ لکھتا ہے:۔

"بہت سے مکے والے خصوصاً وہ لوگ جن کو حاجیوں سے روپیہ پیدا کرنے کا کچھ تعلق نہیں ہے، وہ اپنے تئیں مذہب کا زیادہ پابند بھی نہیں ظاہر کرتے، اور اپنے عقائد میں بہت کمزور ہیں، وہ اس بات کو کافی سمجھتے ہیں، کہ وہ مکے والے ہیں، یوں تو آیتیں اور حدیثیں ان کی زبان پر ہیں، مگر ان پر عمل نہیں کرتے، وہ یہ خیال کرتے ہیں، کہ مذہب کی پابندی پردیسیوں پر واجب ہے، جو عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ مکے آتے ہیں، بدویوں کی طرح بہت سے آدمی نماز بھی گنڈے دار پڑھتے ہیں، اور بعض بالکل پڑھتے ہی نہیں، جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جو شہر میں ہو واجب ہے، مگر اس روز بیت اللہ خصوصاً پردیسی مسلمانوں سے بھرا رہتا ہے، اور مکے والے بہت سے اپنے دکانوں پر بیٹھے حقہ پیتے رہتے ہیں، یہ لوگ خیرات بھی کبھی نہیں دیتے، ان کا مقولہ ہے، کہ خدا نے ان کو اس شہر میں خیرات لینے کے لئے پیدا کیا ہے، نہ کہ دینے کے واسطے، یہ لوگ سنت کی پیروی کرتے ہیں، لیکن بالکل چھوٹی چھوٹی باتوں میں مثلاً مونچھیں کترتے ہیں، اور داڑھی بڑھاتے ہیں، اسی طرح عمامہ کا سرا بھی پیچھے چھوڑتے ہیں، ہر روز آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہیں، ہمیشہ ہاتھ میں مسواک رکھتے ہیں، بات بات پر قال اللہ اور قال الرسول کہتے رہتے ہیں، مگر اس کا لحاظ نہیں کرتے، کہ یہ نصیحتیں اطوار درست کرنے کے لئے کی گئی ہیں، نہ کہ محض زبان سے کہہ دینے کے لئے۔"

برکہارٹ کے زمانہ میں حجاز میں طاعون بھی پھیلا تھا، جس سے جدہ، مکہ، ینبوع متاثر ہوا تھا، اور صرف مدینہ منورہ اس بلا سے محفوظ رہا تھا۔ طاعون کے واقعات جو برکہارٹ نے اپنے سفرنامے میں درج کئے ہیں، ان سے ہندوستانی طاعون کا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، اس کے واقعات میں سے صرف ایک واقعہ بہ خیال دلچسپی درج کیا جاتا ہے:۔

"۱۸۰۵ء میں جب حجاز میں طاعون پھیلا تھا، اور اس سے پیشتر کبھی نہیں ہوا تھا، تو قاضی جدہ اور جدے کے بہت سے علماء، حاکم جدہ کے پاس گئے اور اس ہواچکی کو توڑ ڈالنے کے لئے کہا، جو چند یونانی عیسائیوں نے قاہرہ سے لاکر خدیو محمد علی پاشا کی اجازت سے دروازے سے باہر کہیں بنالی تھی، ان لوگوں کو یقین تھا، کہ عیسائیوں نے اس مقدس زمین میں جو یہ بدعت پھیلائی ہے، اس کے باعث ان پر خدا کی لاٹھی پڑ رہی ہے[۱]۔"

خطبۂ عرفات کے موقعہ پر برکہارٹ نے حاجیوں کی تصویر، ان الفاظ میں کھینچی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ بعض مردود ایسے موثر وقت میں بھی اپنی حرامزادگیوں سے باز نہیں رہتے :۔

"حاجیوں کے جم غفیر میرے چاروں طرف کھڑے احرام کے پلو سر پر ہلا رہے تھے، اور ان کے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کے نعروں سے زمین آسمان گونج رہے تھے، بعض حاجی جو زیادہ تر پردیسی تھے، چیخ چیخ کر رو رہے تھے، اپنے سینے کوٹ رہے تھے، آنسوؤں سے اپنے منہ دھو رہے تھے، اور خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کر رہے تھے، بعض آنکھوں میں آنسو بھرے عاقبت کی فکر میں خاموش کھڑے تھے، بہت سے حجازی، اور سپاہی باتیں اور مذاق بھی کر رہے تھے، اور جس وقت دوسرے حاجی احرام ہلاتے تھے، یہ بڑے زور سے اپنے ہاتھ پاؤں ہلاتے تھے، گویا اس رسم کی ہنسی اڑا رہے تھے، پیچھے پہاڑی پر میں نے عربوں اور سپاہیوں کی کئی پارٹیاں دیکھیں، جو چپکے چپکے نارجیل پی رہے تھے، ہمارے نزدیک ہی ایک قافلے میں ایک رنڈی بیٹھی قہوہ بیچ رہی تھی، جس کے ملاقاتی زور کے قہقہوں اور بیہودہ حرکتوں سے دوسروں کی عبادت میں بھی خلل ڈال رہے تھے۔"

ایک نئی رسم جس کا ذکر برکہارٹ نے کیا ہے، وہ خدام کعبہ کا صداقت نامہ ہے، وہ لکھتا ہے :۔

"بہ نسبت اس وقت کے خادم کعبہ کا لقب اگلے زمانہ میں زیادہ باوقعت سمجھا جاتا تھا، اور بڑے بڑے آدمی اپنے نام کے ساتھ فخریہ اس خطاب کو استعمال کیا کرتے تھے،

---

[۱] ہندوستان کے جاہلوں میں بھی طاعون کی نسبت اکثر جگہ یہ خیال تھا کہ انگریز پھیلا رہے ہیں، اور ڈاکٹروں وغیرہ کے ذریعے سے کچھ [illegible]

"اب کوئی ساٹھ روپیہ خرچ کرنے سے یہ خطاب مل سکتا ہے، اس رقم کے داخل کردینے کے بعد خریدار کو ایک صداقت نامہ مل جاتا ہے، جس پر قاضی و شریف کے دستخط ہوتے ہیں اور یہ ایک معمولی بات ہے کہ عیسائی کو بھی خادم کعبہ کہلانے کی اجازت حاصل ہو جاتی ہے، یہ عزت خصوصاً یونانی جزیروں کے باشندے حاصل کرلیتے ہیں، کیونکہ جب کبھی ان کو بحری مسلمان قزاق گرفتار کرلیتے ہیں، تو اس صداقت نامہ کے دکھادینے سے متعصب سے متعصب مسلمان بھی ان کی عزت کرنے لگتے ہیں"۔

مدینہ منورہ کے حالات میں حجرۂ شریف کے ذکر میں برکہارٹ لکھتا ہے:۔

"اس حجرے کے اندر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دو سب سے قدیم دوستوں اور جانشینوں یعنے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبریں ہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہوا، ان قبروں پر قیمتی غلاف پڑے رہتے ہیں، مورخ لکھتا ہے، کہ یہ قبریں گہرے گڑھے ہیں، اور وہ تابوت جس میں آنحضرت کا جسد اطہر دفن ہے، چاندی سے منڈھا ہوا ہے، اور اس کے اوپر سنگ مرمر کی ایک لوح لگی ہے، جس پر بسم اللہ اور اللہم صل علیہ کندہ ہے"۔

برکہارٹ کے مذکورۂ بالا بیان کا بڑا حصہ غلط ہے، اور برکہارٹ کی عربی دانی و تحقیق کے اعتبار سے ایسی لغو تحریر بہت ہی بعید معلوم ہوتی ہے، اور جیسا کہ پیشتر عرض کیا جاچکا ہے، یہ سفرنامہ برکہارٹ کے مرتب کرنے والوں کی تحریف معلوم ہوتی ہے، ان قبروں پر کوئی غلاف نہیں ڈالے جاتے، حجرۂ شریف سینکڑوں برس سے سب طرف سے بند چلا آرہا ہے، اس کے اندر نہ کوئی داخل ہو سکتا ہے اور نہ قبروں پر غلاف ڈالے جاسکتے ہیں، مورخ جس سے سید سمہودی مورخ مدینہ مراد ہیں، ان کا یہ بیان نہیں ہے کہ قبریں گہرے گڑھے ہیں، اور آنحضرت صلعم تابوت میں دفن بھی نہیں ہیں، جس صندوق کو تابوت سمجھ لیا گیا ہے، وہ ایک آبنوسی صندوق تھا، جو حجرۂ شریف کے باہر جالی کے اندر گیلری میں مواجہہ شریفہ یعنی آنحضرت کے سرہانے کی شناخت کے لئے رکھا ہوا تھا، اور زائرین اس صندوق کے مقابل کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا کرتے تھے، سنگ مرمر کا کتبہ اسی صندوق میں نصب تھا، حجرۂ شریف و قبور و صندوق کی مفصل کیفیت الاسید سمہودی وغیرہ نہایت وضاحت کے ساتھ ہم

کپتان برٹن کے تذکرے میں آئندہ لکھیں گے، جس نے برکھارٹ کے مذکورۂ بالا بیان پر استدلال کر کے آنحضرت صلعم کی قبر مبارک کو ایک فرضی قبر ظاہر کیا ہے۔

حاجی محمد عرف گیووانی فنائیؒ

(۵)

برکھارٹ کے بعد یورپین سیاح جس نے مکہ معظمہ کا سفر کیا، وہ حاجی محمد عرف گیووانی فنائی اٹلی کے شہر فرارہ[۱] کا رہنے والا تھا، پادری کا عہدہ پانے کی غرض سے فنائی کو اولاً اس کے والدین نے مذہبی تعلیم شروع کرائی، اور جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے، ایک عرصہ تک وہ کلیسائے روم کے پادریوں کی نمائشی و رسمی تربیت پاتا رہا، آخر اسے مذہب عیسوی سے ایسی نفرت ہوگئی، کہ پڑھنا لکھنا چھوڑ کر ۱۸۰۵ء میں وہ اٹلی کی فوج میں ملازم ہوگیا، اور کچھ دن بعد فنائی اور پندرہ آدمی فوجی ملازمت ترک کر کے دین حق کی تلاش میں ترکوں کے صوبۂ البانیہ[۲] کو روانہ ہوئے وہاں شہر انتواری[۳] میں پہنچ کر ایک مسجد میں اترے، یہاں اس خیال سے کہ یہ کفار کی فوج سے بھاگے ہوئے ہیں حاکم شہر نے ان کی بہت آؤ بھگت کی، اور یہ سب کے سب بعد تحقیق مسلمان ہوگئے، فنائی کا نام محمد رکھا گیا، اور ایک ترکی فوجی افسر کی حقہ برداری کی خدمت پر یہ ملازم ہوگیا، کچھ روز بعد اس نے ملازمت ترک کر کے بجائے حقہ کے کلہاڑی ہاتھ میں لی، اور لکڑ ہارے کا کام کرنے لگا، مارچ ۱۸۰۹ء میں کوئی جرم سرزد ہونے کی وجہ سے وہ یہاں سے مصر بھاگ گیا، اور قاہرہ پہنچ کر محمد علی[۴] پاشا کے البانی باڈی گارڈ میں شریک ہوگیا، جس زمانہ میں پاشائے موصوف

---

[۱] فرارہ۔ اٹلی کا مستقر صوبہ اور قدیم شہر ہے، اس کی فصیل کوئی بارہ سو برس سے قائم ہے، یہاں کے کئی گرجے، یونیورسٹی، اور کتب خانہ مشہور ہے، آبادی روبہ تنزل ہے تخمیناً چالیس ہزار کی مردم شماری ہے ۱۲ [۲] البانیہ سلطنت ترکی کا ایک مشہور کوہستانی صوبہ تھا، جسے دول یورپ نے چند سال ہوئے ترکوں کے قبضہ سے نکال کر ایک علٰحدہ عیسائی ریاست قائم کر دی یہاں کی آبادی پندرہ سولہ لاکھ ہے جس میں بارہ تیرہ لاکھ مسلمان اور باقی عیسائی ہیں، جن کی خاطر یہاں عیسائی حکمراں کی ضرورت ہوئی، یہاں ایک جنگجو مسلمان قوم ارنوٹ زیادہ آباد ہے ۱۲ [۳] انتواری صوبۂ البانیا کا ایک چھوٹا سا شہر ہے جس کی آبادی کوئی بیس ہزار ہے ۱۲ [۴] محمد علی پاشا موجودہ خاندان خدیویہ مصر کا بانی ۱۷۶۹ء میں قصبہ قوالا واقع رومیلیا صوبۂ البانیا میں پیدا ہوا تھا، اولاً یہ ترکی فوج میں بھرتی ہوا، پھر ۱۷۹۹ء میں فرانسیسیوں کے مقابلہ میں اپنے سپاہیوں کا دستہ اکٹھا کر کے مصر میں سلطان کی طرف سے لڑ کر داد شجاعت دی اور بڑھتے بڑھتے ۱۸۰۵ء میں مصر کا گورنر ہوگیا یہ بڑا بہادر و مدبر تھا، مملوک سلاطین مصر کے پسماندہ امراء و رؤساء جو ہمیشہ ترکی سلطنت کو دق کیا کرتے تھے، ان کو یکم مارچ ۱۸۱۱ء کو دھوکے سے قلعہ قاہرہ میں بلا کر سب کا قتل عام کر دیا، چار سو تیس آدمیوں میں سے صرف ایک مملوک امین بے اپنے گھوڑے کو قلعہ کی عالیشان دیوار سے کود کر چھلانگ لگا کر گولیوں کی بوچھاڑ میں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہوا وہابیوں جنھوں نے ۱۸۰۳ء میں مکہ فتح کر لیا تھا، اور چھ سات برس سے حجاز میں

مصر صعید[1] میں مملوکوں[2] سے جنگ کر رہا تھا، فناٹی بھی اس میں شریک تھا، اور جب قاہرہ کے قلعہ میں مملوکوں کا قتل عام
ہوا ہے، تو اس میں بھی اس نے حصہ لیا تھا، اور کسی "بے[3]" کی روپیوں سے بھری ہوئی زین، اور ایک لونڈی مع زیور
و نقدی اس کے ہاتھ بھی لوٹ میں آئی تھی، اس لونڈی کے ساتھ اس نے عقد کر لیا، اور چھ مہینے تک اس فوج کے ساتھ
جو توسون[4] پاشا خلف محمد علی پاشا کے زیر کمان وہابیوں سے مقابلہ کے لئے مکہ معظمہ پر چڑھائی کرنے والی تھی، قاہرہ میں
ٹھہرا رہا، ایک دن اس کے ہاں چور آ پڑے اور اس نے بندوق چلائی، جس کی گولی غلطی سے اس کے ہمسایہ (سارجنٹ)
کے لگ گئی جو اس وقت اندھیرے میں نماز پڑھ رہا تھا، اور وہ اسی وقت ٹھنڈا ہو کر رہ گیا، یہ معاملہ اس کے ہر دلعزیز
کمانڈر انچیف توسون پاشا کے سامنے پیش کیا گیا، اور اس نے اپنے پاس سے کئی ہزار پیاسٹر[5] مقتول کے ورثاء کو بطور
خوں بہا کے دے دئیے، ۶ر اکتوبر ۱۸۱۱ء کو یہ فوج سوئز روانہ ہوئی، اور یہاں سے اٹھارہ جہازوں میں سوار ہو کر
بندر گاہ ینبوع پہنچی، فتح ینبوع میں حاجی محمد بھی شریک تھا، وہ جدیدہ[6] کی لڑائی میں بھی موجود تھا، جہاں آٹھ ہزار ترکوں کو
قبیلہ بنی حرب کے پچیس ہزار عربوں اور وہابیوں کے مقابلے میں شکست فاش ہوئی تھی، اس موقع پر وہ بال بال بچ گیا
تھا، اس کے بعد وہ بعارضہ وجع مفاصل بیمار ہو کر قاہرہ لوٹ گیا، اوائل ۱۸۱۴ء میں جب محمد علی پاشا کی فتوحات عرب
کی خبریں قاہرہ میں پہنچیں تو حاجی محمد البانیا کی ٹکڑی فوج میں بھرتی ہو کر براہ سوئز جدہ و ینبوع پہنچا، اور قنفدہ کے محاصرے

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) کوس لمن الملکی بجا رہے تھے، ۱۸۱۱ء میں محمد علی پاشا نے ان پر چڑھائی کی اور مختلف مقامات پر ان کو شکست دے کر ۱۸۱۶ء میں عرب
کی فتوحات ختم کیں، محمد علی پاشا کی زندگی کا سب سے زیادہ اہم واقعہ شام کا حملہ تھا جو ۱۸۳۲ء میں اس کے فرزند ابراہیم پاشا نے کیا اور ترکوں کو شکست
دے کر شام کا ملک فتح کر لیا، اس کے بعد بعض شرائط کی بنا پر مصر کی حکومت اپنے خاندان کے لئے مخصوص کرا لی، چنانچہ موجودہ خدیو مصر بھی اسی خاندان کے
رکن ہیں، ۱۸۴۸ء میں محمد علی پاشا نے بوجہ ضعف و ناتوانی عزلت اختیار کر لی اور اپنے لڑکے ابراہیم پاشا کو خدیو مقرر کیا، ۲ر اگست ۱۸۴۹ء
میں محمد علی پاشا کا انتقال ہوا۔ [1] مصر صعید مصر کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو دریائے نیل کے چڑھاؤ کی طرف واقع ہے ۱۲ [2] نو مسلم فرنگی
غلاموں کو مملوک کہتے تھے۔ سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کے آخری جانشین ملک صالح ایوب نجم الدین نے ۱۲۵۰ء میں نو مسلم
فرنگی غلاموں کا ایک رسالہ باڈی گارڈ مرتب کیا تھا۔ ملک صالح کی وفات کے بعد ۶۴۸ھ میں اس رسالے کا افسر ملک معز الدین ایبک
مصر کا سلطان ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا تخت نشین ہوا، اور اس طرح ڈھائی سو برس سے زائد عرصہ تک مملوکوں کی بادشاہت مصر میں رہی
۱۵۱۷ء میں ان سلاطین کا خاتمہ ہو گیا اور ملک مصر سلطان سلیم اول سلطان ترکی کے قبضہ میں آ گیا رہے سہے مملوکوں کا خاتمہ ۱۸۱۱ء
میں قتل عام کر کے محمد علی پاشا نے کر دیا، یہ مملوک چونکہ سرکیشیا یا چرکیسیا کے رہنے والے تھے، اس لئے ان کو چرکسی سلاطین بھی کہتے ہیں ۱۲
[3] بے ایک ترکی خطاب ہے، مملوک سلاطین و امراء کو بے کہا کرتے تھے ۱۲ [4] توسون پاشا محمد علی پاشا کا منجھلا لڑکا تھا، یہ بڑا فیاض
بہادر اور نیک دل تھا، وہابیوں کے مقابلہ میں جو مصری بحری فوج گئی تھی، اس کا امیر البحر تھا اور مدینہ منورہ اسی نے وہابیوں سے واپس لیا تھا ۱۲ [5]
پیاسٹر ایک مصری سکہ ہے جو ڈھائی تین آنہ کا ہوتا ہے [6] جدیدہ ینبوع سے چالیس پینتالیس میل شمال کی راہ میں مدینہ کے پاس ایک بستی آباد
(بقیہ صفحہ آئندہ)

غ میں مدد کی، جس وقت وہابیوں نے ترکوں سے قنفذہ دوبارہ فتح کیا ہے، اس وقت یہ وہیں تھا، لیکن مجبو
ی ہو جانے کے باعث، اور کچھ عربوں کی اذیت اور اپنے افسر کی ناراضگی کے سبب سے اس نے نوکری
دی، اور مکہ چلا گیا، وہاں پھر اس نے خدیو محمد علی پاشاہ کی کسی فوج میں بھرتی ہونے کا ارادہ کیا، اور چونکہ
ملک اس کی رسائی مشکل تھی، اس لئے اس نے یہ تدبیر نکالی کہ ترکی زبان میں ایک درخواست لکھ کر بیت اللہ کے
ایک مکان کے دروازہ پر پاشا کی سواری کے انتظار میں کھڑا ہو گیا، آخر چھ روز بعد پاشا سے اس کی ملاقات
، پاشا نے جنگ قنفذہ کے مفصل حالات قلمبند کرنے کے لئے اس کو حکم دیا، اور اس کو پانسو پیاستر نقد اور
ن کی فوج میں کوئی عہدہ عنایت کیا، حج کے بعد فناٹی طائف کو چلا گیا، وہ جنگ طرابہ میں بھی موجود تھا،
ں تو تون پاشا کو سخت شکست ہوئی تھی، اور اس کی یون فوج کا صفایا ہو گیا تھا، ۱۰ جنوری ۱۸۱۵ء کو
ی پاشا نے جب چوبیس ہزار وہابیوں پر جو فیصل بن سعد کی زیر کمان تھے، بمقام بسیل زبردست فتح
، کی تھی، فناٹی اس میں شریک تھا، اس لڑائی کے ذکر میں اس نے محمد علی پاشا کی تصویر خوب کھینچی ہے،
، پرانا فاتح موت وفتح کی قسم کھا کر ایک قالین پر بیٹھا ہوا ہے، اور اس کے چاروں طرف دشمنوں کے
ں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں، پاشا نے ایک ایک وہابی کے سر کے لئے پندرہ پندرہ روپیہ انعام مقرر کیا تھا،
جہ تھی، کہ اس کے گرد سروں کے انبار لگے تھے، مدینہ منورہ میں باب عنبریہ کے پاس ایک مینار ہے جسے
لرؤس یعنی سروں کا مینار کہتے ہیں، یہ وہابیوں کے سروں کو بجائے اینٹ، پتھر کے چن کر بنایا گیا ہے، وہاں
بلی کے حالات چونکہ فناٹی نے ایک چشم دید گواہ کی حیثیت سے لکھے ہیں، اس لئے وہ ایک خاص دلچسپی رکھتے
، جنگ کے بعد فناٹی قاہرہ چلا گیا، اور مصر صعید و شام و حلب و کردستان[۱] و بنائیہ[۲] و صنعاء[۳]

حیۂ گذشتہ) اور چھوٹی سی بستی ہے، یہاں بعض ضروری خورد و نوش کی اشیاء ملجاتی ہیں، جدیدہ کو الخیف بھی کہتے ہیں،
سے مراد ہی گھاٹی ہے، جو گاؤں ڈھلواں پہاڑ کے دامن میں آباد ہوتا ہے، اس کو بالعموم خیف کہتے ہیں ۱۸۱۳ء میں
، ہزار بدویوں اور وہابیوں نے اٹھ ہزار ترکوں کو جو حسین بے کے ماتحت تھے شکست دی تھی، ۱۲
ردستان اس علاقہ کو کہتے ہیں، جو دریائے دجلہ کے شمال اور آرمینیا کے جنوب میں واقع ہے، یہاں کے باشندے
ملاتے ہیں، نہایت قوی بہادر اور جنگجو مسلمان ہیں، یہاں حکومت ترکوں کی ہے ۱۲ سلہ شمالی عرب کا ایک شہر ہے
نعار ملک توبہ واقع افریقہ کا ایک شہر ہے جو کسی زمانہ میں ایک طاقتور خود مختار ریاست کا پایۂ تخت تھا لیکن
، ویران حالت میں ہے، آبادی تخمیناً بارہ ہزار ہے، حکومت مصر کی ہے ۱۲

ڈنگولہ[1] کی سیر کی، چونکہ عرصہ دراز تک اس کو لکھنے کی ضرورت نہ پڑی تھی، اس وجہ سے وہ لکھنا بھول گیا تھا، یورپ واپس ہو کر لندن میں اس نے کئی آدمیوں کو جو زبان اطالیہ سے واقف تھے، بول بول کر اپنے حالات سفر لکھوائے تھے، اس کا سفرنامہ اول زبان اطالیہ میں شائع ہوا تھا، پھر ۱۸۲۲ء میں جان ولیم نیکس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور جب کبھی ضرورت ہوئی، تو خود فنائی سے بھی حالات و واقعات دریافت کئے، اور یہ ترجمہ ۱۸۲۲ء میں جان مرے ساکن البر میرل اسٹریٹ لندن نے چھپوایا، فنائی چونکہ صدق دل سے مسلمان ہو گیا تھا، اس وجہ سے یورپین اس کے سفرنامے کو غیر مستند سمجھتے ہیں، مسٹر نیکس مترجم سفرنامۂ فنائی کے بار بار ملازمت ترک کرنے کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں، فنائی کے دیوانہ ہونے کے ثبوت میں ہم اس کا حسب ذیل بیان پیش کرتے ہیں، جو اس نے شہر مکہ کی تعریف میں لکھا ہے:-

"شہر میں داخل ہو کر جو کچھ میں نے دیکھا، اس سے میرے دل پر بہت گہرا اثر پڑا، یہ شہر نہ کچھ بڑا ہے، نہ کچھ خوبصورت ہے" "تاہم اس میں کوئی بات ایسی ہے، جو دل میں ایک قسم کا خوف پیدا کرتی ہے، جس وقت میں مکہ پہنچا، دوپہر کا وقت تھا، ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی، اور میناروں پر سے موذن کی صدائے اکبر کے سوا اور کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی"۔

مکۂ معظمہ پہنچ کر کسی مسلمان کے دل پر جو اثر ہونا چاہئے، اس کا ایک شمہ فنائی نے ظاہر کیا ہے، شاید عیسائیوں کے دلوں پر بیت المقدس میں داخلہ سے اس قسم کا کوئی اثر نہ ہوتا ہوگا، جب ہی مسٹر نیکس نے فقرہ مذکورہ بالا کو فنائی کے جنون کے ثبوت میں پیش کیا ہے، مسٹر موصوف فنائی کو دیوانہ ثابت کرنے کے لئے، اگر صرف اتنا کہہ دیتے، کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا تو غالباً ان کے ہم خیال لوگوں کے اطمینان کے لئے بالکل کافی ہوتا، عیسائیت کا کو چہ ہے، اس سے اہل یورپ اکثر نابلد ہیں ؎

دشت وفا کی راہیں اہل وفا سے پوچھو کیا جانیں شیخ صاحب بھلے آدمی ہیں

---

[1] ڈنگولہ ملک نوبہ کا ایک شہر ہے، جو قاہرہ سے (۷۵۰) میل جانب جنوب دریائے نیل کے بائیں کنارہ پر آباد ہے، ۱۸۸۴ء و ۱۸۸۶ء کی لڑائیوں میں جو انگریزی فوج اور مہدی سوڈانی کے درمیان ہوئی تھیں، ڈنگولہ بڑا رزم گاہ بنا ہوا تھا، ۱۸۸۶ء میں یہاں سے انگریزی فوج تخلیہ کر کے مراجعت کر گئی تھی، اس کے بعد ۱۸۹۶ء میں مصری حکومت نے واپس لے لیا، یہاں کی آبادی

اب ہم فنائی کے سفرنامے سے بعض ایسے واقعات یہاں درج کرتے ہیں، جو دوسرے سفرناموں میں نہیں دیکھے گئے، اور جو غالباً اسی زمانہ میں رائج ہوں گے۔

فنائی لکھتا ہے :۔

"بہت سے حاجی پورے شہر مکہ کا طواف کرتے ہیں، یہ لوگ پہلے شہر کے باہر دروازہ پر چلے جاتے ہیں، اور ایک مذہبی افسر کے روبرو اپنے معمولی کپڑے اتار کر احرام باندھ لیتے ہیں، اور پھر نہایت تیز قدمی سے بلکہ کسی قدر بھاگتے ہوئے شہر کے ایک گوشے پر پہنچتے ہیں، ایک مطوف بھی ان کے ساتھ ساتھ اسی رفتار سے چلتا رہتا ہے، اور خاص خاص موقعوں پر ان کو خاص خاص دعائیں پڑھاتا جاتا ہے، شہر کے ہر کونے پر حجام بیٹھے رہتے ہیں، جو عجیب پھرتی کے ساتھ حاجیوں کا سر جھکا کر پاؤ سر مونڈ دیتے ہیں، اس کے بعد حاجی پھر چلنا شروع کرتے ہیں، اور دوسرے تیسرے کونوں پر اسی طرح پاؤ پاؤ سر منڈاتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ شہر کے چوتھے کونے پر پہنچ جاتے ہیں، تو سارے سر کی حجامت ختم ہو جاتی ہے، اس کے بعد حاجی اپنا معمولی لباس پہن لیتے ہیں، اور یہ عبادت پوری ہو جاتی ہے"

ممکن ہے کہ فنائی نے عمرہ[1] اور صفا[2] و مروہ[3] کے درمیان دوڑنے کی تفصیل بیان کی ہو جو نامکمل و مبہم ہے، یا شاید اس زمانے میں بعض حاجی سارے شہر کا بھی طواف کرتے ہوں۔

---

[1] ایام حج کے سوا دوسرے دنوں میں مناسک حج ادا کرنے کو عمرہ کہتے ہیں، رمضان میں عمرہ کی بہت فضیلت ہے، زمانۂ حج میں عمرہ ۱۴ ذی الحجہ کے بعد سے شروع کیا جاتا ہے، اس سے قبل نہیں کرتے، اور عموماً ۱۴ ذی الحجہ کو مقام تنعیم میں جا کر جو مکۂ معظمہ سے ڈیڑھ کوس ہے اور جہاں مسجد عائشہؓ ہے، احرام باندھتے ہیں، اور طواف و سعی کر کے حجامت بنوا لیتے ہیں اور احرام کھول دیتے ہیں ۱۲

[2] صفا کے معنی بڑا سخت پتھر ہیں، کوہ صفا بیت اللہ کے جنوب و مشرق کی طرف کوئی سو گز ہے، یہ حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑی تھیں، اس کی یادگار میں حاجی بھی ان دونوں پہاڑیوں کے بیچ میں کوئی پچاس قدم دوڑتے ہیں جسے اصطلاح شرعی میں سعی کہتے ہیں، صفا سے شروع کر کے مروہ تک سات مرتبہ دوڑا جاتا ہے، صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک ایک پھیرا ہوتا ہے، سعی عموماً صبح کے وقت زیارت کعبہ کے بعد کی جاتی ہے، اس کی تشریح پیشتر بھی حاشیہ میں مختصراً کی جا چکی ہے،

[3] مروہ کے معنی سفید سخت پتھر کے ہیں، جس میں سے شرارے نکلتے ہوں، یہ بھی بیت اللہ کے شرقی جانب ایک پہاڑ ہے، صفا و مروہ کے درمیان (۴۹۴) گز کا فاصلہ ہے ۱۲

بیت اللہ کے کبوتروں کے ذکر میں فناٹی لکھتا ہے :۔

"بہت سے حاجی ان کبوتروں[1] کو دانہ ڈالنے کے لئے دور و دراز ملکوں سے اناج اپنے ساتھ لاتے ہیں، ممکن ہے کہ قحط کے زمانے میں جبکہ مکہ معظمہ میں اناج نہ ملتا ہوگا، یا بطور منت کے بعض حاجی اپنے ساتھ دانہ لاتے ہوں، ورنہ فناٹی سے ایک سال قبل ۱۸۱۲ء میں، جب برکہارٹ مکہ گیا تھا، اس وقت مکہ شریف کے دروازوں پر کبوتروں کو ڈالنے کے لئے، جوار بیچنے والی عورتیں بیٹھی تھیں، اور حاجی اُن سے خرید کر کے کبوتروں کو دانہ ڈالتے تھے، اس زمانہ میں بھی غریب عورتیں چھوٹی چھوٹی طشتریوں میں دانہ لئے بیت اللہ کے دروازوں پر بیٹھی رہا کرتی ہیں، اور اکثر دو دو آنہ میں کئی کئی طشتریاں دیتی ہیں۔

حضرت ابراہیم کو جس جگہ شیطان نظر پڑا تھا، اس مقام پر کنکریاں پھینکنے کے لئے، رسم رمی الجمرات[2] جو حاجی ادا کرتے ہیں، اس کے واسطے مقام مزدلفہ و منیٰ[3] سے کنکریاں چن کر لاتے ہیں، فناٹی کہتا ہے کہ بعض حاجی زائد ثواب حاصل کرنے کے خیال سے اپنے وطن سے یہ کنکریاں لاتے ہیں، فناٹی کے زمانہ میں حاجیوں کے نام بھی درج رجسٹر کئے جاتے تھے، اور ایک خاص اہلکار اسی کام کے واسطے مقرر تھا، اس زمانہ میں حاجیوں کی تعداد کثیر کے باعث یہ طریقہ باقی نہیں رہا، ممکن ہے کہ جنگ کی وجہ فناٹی کے وقت میں احتیاطاً حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہوں، زمانۂ قدیم میں کچھ رقم ادا کرنے پر حاجیوں کو شریف مکہ کی جانب سے

---

[1] بیت اللہ میں ہزارہا کبوتر ہیں، حاجی ان کو جو یا گیہوں ڈال دیتے ہیں، یہ خانہ کعبہ کے گرد چکر لگایا کرتے ہیں، مگر خانہ کعبہ پر نہ بیٹھتے ہیں اور نہ اس پر بیٹ کرتے ہیں، ورنہ غلاف کعبہ بھی ایک دن میں سفید ہوجاتا، عام طور پر یہ کعبہ کا معجزہ خیال کیا جاتا ہے، برٹن اس کے متعلق کہتا ہے کہ، کعبے کی چھت میں کوئی ایسی حکمت ہے، جس کی وجہ سے کبوتر خانۂ کعبہ پر بیٹھ کر بیٹ نہیں کرتے، عوام الناس ان کبوتروں کو اس کبوتر کی نسل کہتے ہیں، جس نے ہجرت کے وقت آنحضرت صلعم کے پوشیدہ ہونے کے غار میں انڈے دئے تھے۔

[2] رمی الجمرات مرکب ہے رمی اور جمرات سے، رمی کے معنی پھینکنے کے ہیں، جمرات جمع ہے جمرہ کی جس کے معنی کنکر ہیں، رمی الجمرات کنکریاں پھینکنا، [3] منیٰ سے جب حضرت ابراہیم مناسک حج ادا کرنے کے لئے مزدلفہ جارہے تھے، تو شیطان نے تین مقامات پر ان کے دل میں وسوسہ ڈالنا چاہا تھا جس پر آپ نے اس کو بھگانے کے لئے چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینکی تھیں، منیٰ کے بازار میں ان مقامات کی شناخت کے لئے تین برجیاں بنی ہوئی ہیں جن کو جمرۃ الاولیٰ، جمرۃ الاوسط، اور جمرۃ العقبیٰ کہتے ہیں، عوام الناس ان کو بڑا شیطان، منجھلا شیطان اور چھوٹا شیطان کہتے ہیں،

صداقت نامہ حج بھی مل جاتا تھا، اب یہ رسم اٹھ گئی۔

جبلِ نور[1] کے ذکر میں فناٹی لکھتا ہے:۔

"اس پہاڑ پر حاجی چڑھتے ہیں، اور آیات قرآنی و دعائیں پڑھتے ہوئے، اچھلتے کودتے ہیں"

زمانۂ حال کے سیاحوں نے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا ہے، برٹن جو ۱۸۵۳ء کے حج میں شریک تھا کہتا ہے کہ بعض وجوہ سے میں جبل نور پر چڑھ نہ سکا اس وجہ سے اس رسم کے متعلق جس کا فناٹی نے ذکر کیا ہے، کچھ نہیں کہہ سکتا فناٹی کے زمانے میں خانۂ کعبہ سال میں ایک مرتبہ کھلتا تھا، داخلی کعبہ کے متعلق ہم پٹس کے حالات میں کسی قدر تفصیل سے لکھ آئے ہیں، فناٹی لکھتا ہے:۔

"اگرچہ خانۂ کعبہ میں داخل ہونے کی کوئی ممانعت نہیں ہے، لیکن تعجب کی بات ہے کہ بہت کم حاجی اندر جانے کی جرأت کرتے ہیں، حالانکہ یہ خیال کیا جاتا ہے، کہ خانۂ کعبہ میں داخل ہو کر توبہ کرنے سے عمر بھر کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں، لیکن اندر داخل نہ ہونے کی وجہ غالباً وہ اقرار و عہد ہیں جو حاجیوں کو کرنے پڑتے ہیں، یعنی جو شخص کعبہ میں داخل ہوتا ہے، اس کو قسم کھانی پڑتی ہے، کہ کسی قسم کے نفع کا کاروبار تجارت اور بیع بیوپار نہ کرے گا، ہر تکلیف و نقصان پر صبر کرتا رہے گا، ہر قسم کے گناہوں سے بچتا رہے گا، اور کسی ناپاک و نجس چیز کو ہاتھ نہ لگائے گا۔"

فناٹی کا یہ بیان واللہ اعلم کن مسلمانوں کی زبانی سنا ہوا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اسلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) رسم ابراہیمی کو تازہ رکھنے کے لئے حاجی بھی رغماً للشیطان و رضاً للرحمٰن بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوٹے بڑے جمروں پر چھوٹے چھوٹے کنکر مارتے رہتے ہیں، دسویں ذی الحجہ کو صرف بڑی جمرہ پر سات کنکر پھینکتے ہیں، اور ۱۱، ۱۲ کو تینوں شیطانوں پر سات سات کنکریاں پھینکتے ہیں، اس طرح کل (۴۹) کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، رمی الجمرات بعد زوال ہوتا ہے، بعض جاہل ان شیطانوں کو جوتے سے بھی مارتے ہیں، کنکریاں وادی مزدلفہ سے (جو منیٰ سے کچھ فاصلہ پر ہے) چن لی جاتی ہیں ۱۲ [2] مزدلفہ کی توضیح پیشتر حاشیہ میں کی جا چکی ہے ۱۲ [3] منیٰ کی توضیح سابق میں کی جا چکی ہے ۱۲

[1] جبل نور مکہ معظمہ میں ایک بہت بلند پہاڑ ہے، اس پر جناب سرورِ کائنات کا شق الصدر ہوا تھا، اس کو غار حرا بھی کہتے ہیں آنحضرتؐ قبل بعثت یہاں عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے، سورۂ اقرا یہیں نازل ہوئی ہے ۱۲

اس قسم کی خلافِ عقل شرائط کے پابند ہونے کی تعلیم نہیں دیتا، اور اسلام نے معافی و توبہ کے لئے بھی یہاں تک ڈھیل دے رکھی ہے۔ (رباعی)

باز آ، باز آ، ہر آنچہ ہستی، باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی، باز آ

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار، اگر توبہ شکستی، باز آ

ممکن ہے، کہ فناٹی نے رومیوں کے کلیسا میں داخلہ کی شرائط پر شرائط داخلی کعبہ کا قیاس کر لیا ہو، بالفرض اگر ان فرضی شرائط کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو بھی یہ بہت سخت اور ناممکن و ناقابل عمل نہیں معلوم ہوتیں، مسلمانوں میں ہزاروں آدمی ایسے نکل سکتے ہیں، جو ان شرطوں کی پابندی کرنے کو تیار ہو جائیں، مگر اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے، اور دخلی کعبہ کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، .... اب رہی یہ بات کہ حاجی کم تعداد میں کیوں داخل ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم گنہگاروں کے ناپاک قدم اس قابل نہیں ہیں، کہ کعبہ مکرمہ کے اندر پہنچائے جائیں، اسی وجہ سے بعض حاجی جو دس دس بارہ بارہ مرتبہ حج سے مشرف ہو جاتے ہیں، وہ ایک مرتبہ بھی خانۂ کعبہ میں داخل نہیں ہوتے، علاوہ ازیں داخلی کعبہ دو قسم کی ہوتی ہے، ایک خاص، جس میں فی کس دو تین روپیہ دے کر داخل ہو سکتے ہیں، دوسری داخلی عام، جس میں بلا کسی فیس کے داخل ہوتے ہیں، بعض حاجی داخلی خاص میں روپیہ دینا گناہ سمجھتے ہیں، وہ خیال کرتے ہیں، کہ خدا کے گھر میں رشوت دے کر داخل ہونا، موجب ثواب نہیں ہو سکتا، اور داخلی عام میں چونکہ بڑی لپہ ڈپی، اور دھکا پیلی ہوتی ہے، اور کچل کر مر جانے کا خوف ہوتا ہے، اس لئے بہت سے حاجی حطیم[1] میں نماز پڑھ لیتے ہیں، جس کا ثواب مثل نماز اندرون خانۂ کعبہ کے ہے، پھر بھی ہزاروں اچھے برے آدمی خانۂ کعبہ کے اندر پہنچ ہی جاتے ہیں فقط

---

[1] حطیم کے لغوی معنی ٹوٹا ہوا، کعبہ کے رکن شامی و عراقی کے باہر کوئی ۶½ گز کے فاصلہ پر قد آدم ایک دیوار نصف دائرہ کی شکل میں ہے، اسی کو حطیم کہتے ہیں، اس کے اندر دو رکعت نماز نفل پڑھتے ہیں، جس کا ثواب مثل داخلی کعبہ اور نماز اندرون کعبہ کے ہے۔